دینِ اسلام کے بنیادی عقائد پر مشتمل ایک عام فہم کتاب

جو مدارس اور اسکول و کالج کے طلبہ سمیت ہر مسلمان کے لیے نہایت ہی اہم ہے!

آیئے اسلامی عقائد سیکھیے!

مؤلف

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

عقیدہ کی تعریف:

عقائد سے مراد دین و مذہب کی وہ باتیں ہیں جو دل میں جَمالی جائیں اور اَعمال کی بنیاد ہوں اور اُن پر نجات اور کامیابی کا دار و مدار سمجھا جاتا ہو۔ عقیدہ کی جمع عقائد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقائد کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔

عقائد کی اقسام:

ضروری عقائد کی دو قسمیں ہیں:

1۔ عقائد کی ایک قسم تو وہ ہے جو مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، جیسے عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت، عقیدہ آخرت اور عقیدہ ختمِ نبوت وغیرہ۔

2۔ عقائد کی دوسری قسم وہ ہے جو حق جماعت یعنی اہل السنۃ والجماعۃ میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے خلاف عقیدہ رکھے گا تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہو کر گمراہ قرار پائے گا، جیسے ایصالِ ثواب کو حق سمجھنا، قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا قائل ہونا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اوّل ماننا، اور ان جیسے دیگر عقائد کو تسلیم کرنا۔

اس لیے دونوں قسم کے عقائد کو سمجھنا اور ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

عقائد میں بنیادی طور پر چھ چیزوں کی درستی کی اہمیت:

ویسے تو عقائد کا باب نہایت ہی وسیع ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کی جائے کیوں کہ دین میں عقائد کو بنیادی حیثیت اور اہمیت حاصل ہے اور ان کی درستی اعمال سے مقدّم ہے، البتہ ان میں سے بنیادی طور پر چھ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں کم از کم ہر مسلمان کے عقیدے کا صحیح ہونا نہایت ہی اہمیت رکھتا ہے:

1: اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں عقائد۔ 2: تقدیر کے بارے میں عقائد۔

3: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی مقدس شخصیات کے بارے میں عقائد۔

4: آسمانی کتابوں کے بارے میں عقائد۔ 5: فرشتوں اور جِنّات کے بارے میں عقائد۔

6: موت، قبر، برزخ، آخرت اور جنت و جہنم کے بارے میں عقائد۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ وابستگی کی اہمیت:

ماقبل میں ضروری عقائد کی دوسری قسم جو کہ اہل السنۃ والجماعۃ سے متعلق ہے اس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے ایمان کے بعد اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ وابستگی نہایت ہی ضروری ہے، اسی میں اس کے ایمان اور عقائد کا تحفظ ہے، جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ سے انحراف گمراہی ہے۔اس لیے ہر مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوئے اپنے عقائد کا تحفظ کرے اور ہر قسم کی کھلی اور پوشیدہ گمراہی سے اپنے آپ کو بچانے کی بھرپور کوشش کرے۔

اہل السنۃ والجماعۃ ہی حق جماعت ہے:

سنن الترمذی کی حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹے تھے، جبکہ میری امت میں 73 فرقے بنیں گے، ان میں ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ایک کامیاب اور برحق جماعت کون سی ہو گی؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي'' یعنی جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہو گی۔''

اس حدیث کی روشنی میں چند باتیں سمجھنے کی ہیں:

- اِس امت میں 73 فرقے بنیں گے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امت میں موجود تمام فرقے حق پر نہیں ہو سکتے۔
- اس سے ان حضرات کی غلطی بھی معلوم ہو گئی جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام فرقے غلط ہیں اس لیے کسی بھی فرقے کو نہیں ماننا چاہیے بلکہ ہم صرف مسلمان ہیں، یہ بات اس لیے درست نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے واضح فرمادیا کہ ایک جماعت حق پر ہو گی، تو اسی جماعت کے ساتھ وابستگی ضروری ہے۔
- اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد گمراہی سے بچتے ہوئے حق جماعت کے ساتھ وابستگی نہایت ہی ضروری ہے، یہی اس کی کامیابی اور نجات ہے، جبکہ اس سے غفلت کے نتیجے میں یہ قوی اندیشہ ہے کہ وہ گمراہ فرقوں میں شامل ہو کر اس حدیث کی وعید کا مصداق بن جائے۔
- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اِس حق جماعت کے عقائد سے ہٹ کر باطل اور گمراہ کن عقیدے ایجاد کرنا نہایت ہی سنگین جرم ہے، بلکہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ حق عقائد ہی کے ساتھ وابستہ رہے۔
- اس حدیث سے فرقہ واریت کی نہایت ہی مذمّت ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان حق جماعت کا دامن تھامے رکھیں اور

نئے فرقے ایجاد کرنے سے بچیں۔

- یہ تمام فرقے اسلام میں داخل ہوں گے البتہ اپنے گمراہ کن عقائد کی وجہ سے گمراہ ہوں گے، جس کی سزا انھیں ملے گی اور پھر بالآخر ایمان کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ لیکن ان میں سے جو انفرادی یا اجتماعی طور پر کفر یا شرک میں مبتلا ہو جائے تب تو کفر کا حکم لاگو ہو گا۔
- اس حدیث میں اس حق جماعت کی علامت بھی بیان فرمادی کہ ''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي'' یعنی جو ''میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہو۔'' اسی سے اس حق جماعت کا نام بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا نام ''اہل السنۃ والجماعۃ'' ہے، اس نام میں سنت سے مراد حضور ﷺ کی سنت ہے جبکہ جماعت سے مراد حضرات صحابہ کی جماعت ہے، گویا کہ یہ نام اسی حدیث سے مأخوذ ہے۔
- یہ نام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ثابت ہے، سورتِ آل عمران آیت نمبر 106 کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے چہرے روشن ہوں گے جبکہ بدعتی اور گمراہ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے، دیکھیے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن ابی حاتم۔

حق جماعت اہل السنۃ والجماعۃ کے اوصاف:

اہل السنۃ والجماعۃ وہ جماعت ہے جو قرآن کریم، سنت اور صحابہ کے طریقے پر بڑی مضبوطی کے ساتھ قائم ہو، انھی کی پیروی اپنے لیے باعثِ ہدایت سمجھتی ہو، عقائد، فقہ اور اخلاقیات سمیت زندگی کے ہر قول و فعل اور کردار میں ان کی اتباع کو اصل اور اہم قرار دیتی ہو، ان سے انحراف کرتے ہوئے دین میں بدعات ایجاد کرنے سے مکمل اجتناب کرتی ہو۔ جو سنت سے محبت اور بدعات سے شدید نفرت کرتی ہو۔ جو قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کو شرعی دلائل قرار دیتی ہو اور بالترتیب ہر ایک دلیل کو اس کے مقام و مرتبہ پر رکھتی ہو۔ جو اجتہادی امور میں مجتہد کے لیے اجتہاد جبکہ غیر مجتہد کے لیے ان کی تقلید کو ضروری قرار دیتی ہو۔ جو تمام اسلامی عقائد کو ان کی صحیح اور اصلی شکل میں قبول کرتی ہے اور کسی بھی عقیدے کے بارے میں غلو یا اِفراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتی۔ جو توحیدِ الٰہی کا اہم عقیدہ رکھتے ہوئے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتی، جو غیر اللہ سے حاجتیں اور مرادیں نہیں مانگتی، غیر اللہ کو دعا اور مدد کے لیے نہیں پکارتی، غیر اللہ کی نذر و نیاز نہیں مانتی اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح نہیں کرتی۔ جو پیغمبروں کو معصوم سمجھتی ہے، ان کے علاوہ امت میں کسی کو معصوم نہیں سمجھتی۔ جو تمام

صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی تعظیم واحترام کرتی ہے، ان کا تذکرہ خیر کے سوا کچھ نہیں کرتی اور ان پر تنقید کو روا نہیں رکھتی، انھیں اللہ کے محبوب بندے قرار دیتی ہے جن کے لیے اللہ نے مغفرت اور جنت کی بشارت دی ہے، جو حضرات انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام ﷺ کو سب سے افضل قرار دیتی ہے، پھر حضرات صحابہ میں سے بھی سب سے افضل صحابی حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی کو افضل قرار دیتی ہے۔ جو کہ اولیاء اللہ، بزرگانِ دین، علمائے امت اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا احترام کرتی ہے، توحید کی آڑ میں نہ تو بزرگوں کے کمالات و کرامات کا انکار کرتی ہے، اور نہ ہی بزرگوں کے کمالات و کرامات کی بنا پر ان کو خدائی کا درجہ دیتی ہے بلکہ ان کو خدا کے محبوب بندے گمان کرتے ہوئے ان کو انھی کے مقام و مرتبہ پر رکھتی ہے۔ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہے اور اس میں غیر شرعی طریقوں سے اجتناب کرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو عقائد، فقہ اور اخلاق میں قرآن وسنت، صحابہ اور ائمہ کی پیروکار ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج کون؟

اہل السنۃ والجماعۃ سے وابستگی ہدایت ہے جبکہ ان سے انحراف واضح گمراہی ہے، یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ سے وابستگی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام نظریات وعقائد کو تسلیم کر لیا جائے، اگر کسی کا ایک عقیدہ بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف ہو تو اس کو اہل السنۃ سے خارج ہی قرار دیا جائے گا جیسے کہ کسی ایک کفریہ عقیدے کی وجہ سے مسلمان اسلام سے نکل جاتا ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دام ظلہم نے اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونے کے لیے یہ اصول ذکر فرمایا ہے جو کہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ: ''جو شخص عقائد یا اجماعی مسائل میں جمہور کی مخالفت کرے یا سلف صالحین کو برا کہے تو ایسا شخص اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور اہلِ بدعت میں داخل ہے۔''(اصول الافتاء وآدابہ)

یہ بنیادی اصول ہے جس سے بہت سے امور حل ہو سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے ہر مسلمان کے لیے اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ مضبوط وابستگی کی اہمیت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

دین سیکھنے کے لیے کس کا انتخاب کیا جائے؟

دین سیکھنا انتہائی نازک معاملہ ہے، اس میں جس قدر بھی احتیاط کی جائے کم ہے، اس لیے دین سیکھنے کے لیے کسی ایسے ماہر عالم اور مفتی صاحب کا انتخاب کرنا چاہیے جن کے علم و عمل اور خوفِ خدا پر اعتماد و اطمینان ہو، جن کو دینی علوم میں مطلوبہ مہارت حاصل ہو، جن کو تفقُّہ فی الدین کی دولت حاصل ہو، جن کا تعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ ہو۔ اس لیے یہ یاد رکھیے کہ: جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ. (صحیح مسلم مقدمہ روایت: 26)

ترجمہ: یہ علم، دین ہے، اس لیے تحقیق کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

معلوم ہوا کہ کسی کا بیان سننے، کسی سے مسئلہ پوچھنے، کسی سے دین سیکھنے اور دینی تعلیمات حاصل کرنے سے پہلے اس کے عقائد و نظریات کی درستی اور علم و عمل کی پختگی سے متعلق اطمینان کر لینا چاہیے کیوں کہ بات تبھی معتبر ہو سکتی ہے جب شخصیت معتبر ہوتی ہے۔ اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ دین ہر ایک سے نہیں سیکھنا چاہیے، آجکل لوگ دین سیکھنے میں بالکل ہی احتیاط نہیں کرتے، یہ نہیں دیکھتے کہ جن سے دین سیکھا جا رہا ہے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یا نہیں، مستند عالم ہے بھی یا نہیں، بلکہ ہر ایک سے پوچھ لیتے ہیں جو کہ سنگین غلطی ہے، بلکہ دین کو اہمیت نہ دینے کی دلیل ہے، یاد رہے کہ اگر لوگ دین سیکھنے میں احتیاط سے کام لیں تو صحیح دین ہی پھیلے گا اور غلط باتیں خود بخود ختم ہوتی جائیں گی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب ہم دنیوی معاملات میں ماہرین ہی سے راہنمائی لیتے ہیں، صحت خراب ہو جائے تو کسی اچھے سے اچھے اور ماہر ڈاکٹر سے علاج کرانے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ اگر ایسا ڈاکٹر علاقے میں میسر نہ ہو تو اس کے لیے دور دراز کا سفر بھی کرتے ہیں، جب دنیوی امور میں ماہرین کی اہمیت کا یہ عالم ہے تو پھر دین میں ماہرین سے دین سیکھنے کی اہمیت اس سے بھی بڑھ کر ہونی چاہیے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے: وعظ: جلاء القلوب از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

ایک عمومی غلط فہمی کا ازالہ:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو اس لیے گمراہ لوگوں کے بیانات سنتے ہیں تاکہ ہم صحیح بات کو لے لیں اور غلط بات کو چھوڑ دیں۔ یاد رہے کہ یہ واضح غلط فہمی ہے کیوں کہ حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کے لیے علم کی ضرورت ہوا کرتی ہے، اور بغیر علم کے یہ صفت پیدا ہی نہیں ہو سکتی، اور علم جب حاصل ہی نہ کیا ہو تو گمراہ لوگوں کے بیانات میں حق و باطل کا فیصلہ کیسے کر پائیں گے؟؟

ایمانیات/ایمان سے متعلق بنیادی باتیں

ایمان کی تعریف:

ایمان کا لغوی معنی ہے: امن دینا، اعتماد کرنا، کسی کو بے خوف کرنا، کسی کی بات کو سچا سمجھ کر اس پر یقین کرنا۔

ایمان کا اصطلاحی اور شرعی معنی: نبی کریم ﷺ سے دین کی جو بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو اُسے دل و جان سے تسلیم کرنا۔

علمی طور پر اسے یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایمان درحقیقت تمام ''ضروریاتِ دین'' کو دل و جان سے تسلیم کر لینے کا نام ہے، جبکہ کفر درحقیقت ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کے انکار کرنے کا نام ہے۔

کفر کی تعریف:

ایمان و اسلام کی ضد کفر ہے۔ کفر کا لغوی معنی ہے: چھپانا، ناشکری کرنا، انکار کرنا۔

کفر کا اصطلاحی معنی ہے: ضروریاتِ دین میں کسی بھی ایک چیز کا انکار کرنا۔

''ضروریاتِ دین'' کی حقیقت:

''ضروریاتِ دین'' اُن قطعی اور یقینی امور کا نام ہے جن کا دین ہونا حضور اقدس ﷺ سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو اور ان کو تواتُر اور عام شہرت کا درجہ حاصل ہو حتی کہ دین سے کسی درجے میں تعلق رکھنے والا ایک عام سا مسلمان طبقہ بھی ان کو دین سمجھتا ہو۔

''ضروریاتِ دین'' سے متعلق اہم وضاحتیں:

1: وہ تمام عقائد اور اعمال جو ''ضروریاتِ دین'' میں داخل ہیں ان کو ضروریاتِ دین اس لیے کہا جاتا ہے کہ دین سے کسی درجے میں تعلق رکھنے والا ہر خاص اور عام طبقہ ان کو یقینی طور پر دین ہی کا حصہ سمجھتا ہے، گویا کہ یہاں ضروری کے معنی قطعی اور یقینی کے ہیں۔

2: ''ضروریاتِ دین'' میں اس درجے کے تمام عقائد بھی داخل ہیں اور اعمال بھی، اور اس میں جیسے فرائض داخل ہیں اس طرح اس میں واجبات اور سنتیں بھی داخل ہیں کہ ایسے تمام امور جن کا دین ہونا حضور ﷺ سے یقینی طور پر ثابت ہو تو وہ ضروریاتِ دین کہلائیں گے، اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ بسا اوقات ایک عمل اپنی ذات میں سنت ہوا کرتا ہے لیکن

اس کا دین ہونا اس قدر واضح اور یقینی ہوتا ہے کہ ایک عام سا طبقہ بھی اس کو دین کا حصہ سمجھتا ہے تو اس کو بھی ضروریاتِ دین میں شمار کریں گے، جیسے مسواک ایک سنّت عمل ہے لیکن ہر عام سے عام آدمی بھی جانتا ہے کہ یہ دین کا حصہ ہے، تو جو شخص اس کو دین ہی تسلیم نہ کرے تو اس کا مسلمان رہنا مشکل ہے، اس لیے مسواک کرنا اگرچہ سنت ہے لیکن اس کو دین سمجھنا فرض ہے، اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جو سنتیں ضروریاتِ دین میں سے ہیں عملی طور پر تو ان کا درجہ سنت ہی ہو گا اور ان پر سنت ہی کے احکام لاگو ہوں گے کہ اگر کوئی شخص ان کو ترک کر دے تو اس پر سنت ترک کرنے کا تو وبال ہو گا لیکن وہ اسلام سے خارج نہیں ہو گا، البتہ ان کو دین میں سے سمجھنا فرض ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔

3: ضروریاتِ دین بعض تفصیلی طور پر بیان کیے گئے ہیں اور بعض اجمالی طور پر۔ جو ضروریاتِ دین تفصیلی طور پر بیان کیے گئے ہیں ان پر تفصیلاً ایمان لانا ضروری ہے، جیسے نماز پر اس کے متعلق بتلائی گئی عملی شکل وصورت سمیت ایمان لانا ضروری ہے، اگر کوئی شخص نماز کا فرض ہونا تو مانتا ہے لیکن اس کی عملی شکل وصورت کو نہیں مانتا تو وہ مؤمن نہیں۔ اور جو ضروریاتِ دین اجمالی طور پر بیان کیے گئے ہیں، جیسے فرشتوں پر ایمان لانا وغیرہ، ان پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے۔

4: ضروریاتِ دین میں ایسی تاویل کرنا بھی کفر ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی وہ صورت باقی نہ رہے جو تواتُر سے ثابت ہے اور اب تک ہر خاص وعام مسلمان سمجھتے سمجھاتے چلے آئے ہیں اور جس پر امت کا تعامل رہا ہے، یعنی جس طرح قطعی اور یقینی طور پر وہ ثابت ہے وہ برقرار ہی نہ رہے، جیسا کہ آجکل بعض ملحدین نماز کا انکار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی صلاۃ کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد دعا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کفر ہے۔

5: مؤمن ہونے کے لیے تو تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھنا ضروری ہے لیکن اسلام سے نکلنے کے لیے ضروریاتِ دین میں کسی ایک چیز کا انکار کرنا بھی کافی ہے۔

ضروریاتِ دین کی چند مثالیں:

ضروریاتِ دین بہت ساری ہیں، مثلا:

- اللہ کی توحید اور اس کی صفات پر ایمان لانا۔
- فرشتوں پر ایمان لانا۔
- آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔
- اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا۔

- حضور ﷺ کو اللہ کا آخری نبی ماننا۔
- تقدیر پر ایمان لانا۔
- موت کے بعد آخرت کی زندگی پر ایمان لانا۔
- قیامت پر ایمان لانا۔
- نماز، روزہ، زکوۃ اور حج جیسے ارکانِ اسلام کے فرض ہونے کو فرض سمجھنا۔
- سود، زنا، جھوٹ جیسے امور کو حرام سمجھنا۔
- اسی طرح اسلام کے فرائض کے ادا نہ کرنے کو حرام سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''ضروریاتِ دین'' کو تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، جبکہ ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ اس سے ایمان اور کفر کی بنیادی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی۔

نوٹ: یہ تعریف کفر کی بنیادی تعریف ہے، البتہ اگر اس میں یہ جملہ بڑھا دیا جائے تو یہ زیادہ واضح اور جامع بن جائے گی کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا مذاق اڑانا اور اس کے ساتھ استہزا کرنا بھی کفر کے زمرے میں آتا ہے۔

اہلِ قبلہ کی تکفیر کا حکم:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی، تو واضح رہے کہ محققین کے نزدیک اہلِ قبلہ سے مراد محض قبلہ رخ نماز ادا کرنے والا نہیں بلکہ یہ ایک شرعی اصطلاح ہے، شرعی اصطلاح میں اہلِ قبلہ سے مراد وہی لوگ ہوتے ہیں جو ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتے ہوں اور ان میں سے کسی بھی ایک بات کے منکر نہ ہوں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: اکفار الملحدین از امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

ایمان دل کی تصدیق کا نام ہے:

ایمان درحقیقت دل کی تصدیق کا نام ہے، البتہ زبان سے اقرار کرنا اس لیے شرط ہے کہ اس کی وجہ سے اس شخص پر اسلام کے احکام جاری کیے جا سکیں کیوں کہ ہمیں اس شخص کا مسلمان ہونا زبانی اقرار سے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لیے جو شخص دل سے تصدیق کرتا ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو مسلمان ہو گا اور وہ اس کا اور اللہ کا معاملہ

ہے، لیکن چونکہ اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار نہیں کیا اس لیے ہم اس پر اسلام اور مسلمانوں والے احکام جاری نہیں کر سکتے۔اس لیے دِلی تصدیق کے ساتھ ساتھ زبانی اقرار بھی ضروری ہے۔

اعمالِ صالحہ ایمان کے اجزائے ترکیبی نہیں!

نیک اعمال جیسے نماز، روزہ، حج، ذکر و تلاوت وغیرہ ایمان کے اجزائے ترکیبی نہیں یعنی ایسے اجزا نہیں کہ یہ اعمال نہ کرنے کی وجہ سے کوئی مسلمان ایمان سے محروم ہو جائے، بلکہ اعمالِ صالحہ ایمان کے اجزائے تزیینی (یعنی زینت بخشنے والے اجزا) ہیں کہ ان اعمال سے بندے اور اس کے ایمان کو زینت اور رونق حاصل ہوتی ہے، ایمان کامل اور مکمل ہوتا ہے۔

مراتبِ ایمانی:

ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی کیوں کہ ایمان تصدیق و یقین کی انتہا کا نام ہے جس میں کمی معتبر نہیں، البتہ ایمانی کیفیات و انوارات میں کمی بیشی آتی رہتی ہے کہ ایمان کے تذکرے اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ایمانی کیفیات و انوارات میں اضافہ ہو، اور گناہوں کی وجہ سے ان میں کمی واقع ہو۔اسی طرح اعمالِ صالحہ کی وجہ سے لوگوں کے ایمانی مراتب مختلف ہو سکتے ہیں، البتہ مراتبِ ایمان کا یہ اختلاف نورِ ایمان اور کمالِ ایمان کے اعتبار سے ہے، ورنہ تو نفسِ ایمان میں سب برابر ہیں، اس لیے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے، اور تصدیق سب کی یکساں ہوتی ہے۔

ایمانیات میں شک کرنے کا حکم:

ایمان میں شک کرنا یا ایمانیات کے بارے میں مشکوک ہو جانا کفر ہے، اس لیے ایمان کے بارے میں شک کو قریب سے بھی نہیں گزرنے دینا چاہیے۔

کیا گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے کفر کا حکم لاگو ہو سکتا ہے؟

کسی بد عملی اور گناہ (چاہے کبیرہ ہی کیوں نہ ہو) کی وجہ سے مسلمان کافر نہیں ہو جاتا جب تک کہ واضح کفر صادر نہ ہو جائے، جب کوئی کفریہ قول و عمل کا ارتکاب کر لے تب اسلام سے نکل جاتا ہے، جیسے بت کو سجدہ کرنا، قرآن کو۔۔ معاذ اللہ۔۔ نجاست میں ڈالنا یا پاؤں سے روندنا یا کسی بھی طریقہ سے اس کی توہین کرنا کفر ہے۔

ایمان اور کفر کا مدار خاتمے پر ہے:

ایمان اور کفر کا مدار خاتمہ پر ہے کہ ایک شخص ساری زندگی مسلمان رہا لیکن مرنے سے پہلے کلمہ کفر کہہ دیا اور اسی حالت میں موت آگئی تو وہ کافر ہی سمجھا جائے گا۔ اس کے برعکس ایک شخص زندگی بھر کافر رہا لیکن موت سے پہلے اسلام قبول کر لیا تو یہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

ایمان اور اسلام کا باہمی تعلق:

ایمان کا لغوی معنی ہے: تصدیق کرنا، جبکہ اسلام کا لغوی معنی ہے: جھکنا، تسلیم کرنا، فرمان برداری کرنا۔

ایمان کا تعلق باطنی امور کے ساتھ ہے، باطنی امور سے مراد عقائد اور ایمانیات ہے۔ جبکہ اسلام کا تعلق ظاہری احکام کے ساتھ ہے، جیسے روزہ، نماز وغیرہ۔ البتہ یہ واضح رہے کہ قرآن وحدیث میں ان کا آپس میں ایک دوسرے پر اطلاق بھی کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعًا دونوں کا مصداق تقریبا ایک ہی ہے یا دونوں ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرا نامکمل اور غیر معتبر ہے۔ بعض اکابر نے لکھا ہے کہ ایمان باطن سے شروع ہو کر ظاہر پر اثر انداز ہوتا ہے جبکہ اسلام ظاہر سے شروع ہو کر باطن پر اثر انداز ہوتا ہے۔

تکفیر یعنی کسی کو کافر قرار دینے میں احتیاط کیجیے:

کسی مسلمان کو کافر قرار دینے میں نہایت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کیوں کہ بلاوجہ سے کسی مسلمان کو کافر قرار دینا نہایت ہی سنگین بلکہ بہت بڑا جرم ہے، احادیث میں اس کی شدید مذمت آئی ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے فتاویٰ شامی میں لکھا ہے کہ اگر 70 اقوال اس بات پر متفق ہوں کہ فلاں کام کی وجہ سے کوئی مسلمان کافر ہو چکا ہے، لیکن ایک روایت اگرچہ وہ کمزور ہی کیوں نہ ہو اس سے معلوم ہو رہا ہو کہ وہ کافر نہیں ہوا تو قاضی اور مفتی کو چاہیے کہ وہ اس ایک روایت کو لے لے اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور ان 70 اقوال کو چھوڑ دے۔ (ردالمحتار) بلکہ شامی صاحب رحمہ اللہ نے تو ''شرح عقود رسم المفتی'' میں یہ اصول لکھا ہے کہ تکفیر میں اختلاف کی صورت میں اسی قول کو لیا جائے گا جس سے کافر نہ ہونا معلوم ہو رہا ہو۔ اسی طرح علامہ ابن نجیم جن کو ابو حنیفہ ثانی کہا جاتا ہے، انھوں نے ''البحر الرائق'' میں وہ الفاظ تحریر فرمائے جن سے کفر لازم آتا ہے، لیکن آخر میں فرمایا کہ ''میں نے اپنے اوپر یہ لازم کر رکھا ہے کہ میں ان الفاظ کی وجہ سے کسی کو کافر قرار نہیں

دوں گا۔''اس لیے تکفیر کے معاملے میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے، البتہ اگر کوئی شخص یقینی طور پر کسی کفریہ عقیدے کی وجہ سے کافر ہو چکا ہے تو یہ معاملہ تو واضح ہے کہ اس کی تکفیر میں حرج نہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ ماقبل کی بحث سے قادیانیوں، منکرین حدیث اور دیگر اہلِ کفر وارتداد کو کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچنے والا کیوں کہ ان سے متعلق حکم واضح ہے اور ان کی تکفیر میں کوئی معتبر اختلاف نہیں۔

کسی بات میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا ہو تو کفر کا حکم:

حضرات فقہاء کرام نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص کے کسی جملے میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو اسے کافر نہیں کہنا چاہیے۔ فقہاء کرام کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جس نے ایسا مبہم جملہ کہا کہ جس میں کفر کا بھی احتمال تھا، لیکن اس نے اس کفر کے احتمال سے انکار کیا یا اس کی وضاحت سے پہلے پہلے ہی وہ فوت ہو گیا تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، لیکن اگر اس کو وضاحت کرنے کا موقع ملا، اور اس نے ایسی وضاحت کی جس سے ضروریاتِ دین کا انکار لازم آتا ہو تو ایسا شخص یقیناً کافر ہے۔

اسی طرح فقہاء کرام کا یہ مذکورہ بالا قول اس شخص کے بارے میں بھی ہے جس کے کسی جملہ سے کفر کا احتمال نکلتا ہو، لیکن اس کی پوری زندگی صحیح عقائد اور کتاب وسنت کے مطابق ہو اور اس کے اس مبہم جملے کے علاوہ دیگر قرائن کفر کی تائید میں یا ضروریاتِ دین کے انکار کے بارے میں موجود نہ ہوں۔ لیکن اگر اس شخص کا کوئی اور کلام یا دیگر قرائن کفر کی تائید میں یا ضروریاتِ دین کے انکار میں موجود ہوں وہ شخص بلاشبہ کافر ہے۔

کیا اہلِ علم لوگوں کو کافر بناتے ہیں؟؟

یاد رہے کہ اہلِ علم کبھی کسی کو کافر نہیں بناتے بلکہ وہ کافر ہونا بتاتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کفریہ عمل کی وجہ سے کافر ہو چکا ہے، جیسا کہ کسی کے منہ پر کالک لگی ہو اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو جائے اور اس کو آئینے سے خبر ہو جائے کہ میرے منہ پر کالک لگی ہے تو یہ کالک آئینے نے نہیں لگائی بلکہ آئینے نے تو صرف آگاہی دی ہے، اسی طرح لوگ خود کسی کفریہ عقیدے یا قول وفعل کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں، البتہ اہلِ علم صرف خبر دیتے ہیں تاکہ وہ شخص توبہ کر کے دوبارہ ایمان قبول کر لے۔

نیک اعمال کی قبولیت کے لیے شرائط:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی بھی نیکی کی قبولیت کے لیے تین شرائط ہیں:

1: وہ نیکی ایمان کے ساتھ ہو، یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم شخص کی کوئی بھی نیکی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی، البتہ ان کی اچھے کاموں کا بدلہ اللہ تعالیٰ دنیا میں دے دیتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

2: وہ نیکی شریعت کے مطابق ہو، یہی وجہ ہے کہ جو نیکی شریعت کی تعلیمات کے مطابق نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر گز قابل قبول نہیں۔اور یہ یاد رکھیے کہ نیکی شریعت کے مطابق سرانجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بارے میں صحیح علم حاصل کیا جائے، صحیح علم حاصل کرنے کے بعد ہی وہ نیکی شریعت کے مطابق ادا کی جاسکتی ہے۔

3: وہ نیکی اخلاص کے ساتھ ہو، یہی وجہ ہے کہ جو عمل لوگوں کے دکھلاوے اور ریاکاری کے لیے کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قبولیت نہیں ہوتی۔

کسی بھی نیکی کی قبولیت کے لیے یہ تین باتیں پائی جانی ضروری ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہ پائی گئی تو وہ نیکی ہر گز قبول نہیں ہوگی، بلکہ وہ نیکی کہلائے جانے کے قابل ہی نہیں ہوتی۔آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نیکی کرتے وقت ان باتوں کا لحاظ نہیں رکھتے، جس کی وجہ سے زندگی گزر جاتی ہے لیکن ہمیں ٹھیک طرح نیکی کرنے کی توفیق بھی میسر نہیں آتی، جیسے نفل پڑھنا کتنی بڑی نیکی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہی نفل مکروہ اوقات میں ادا کرتا ہے تو اس کو ثواب تو کیا ملے گا بلکہ اُلٹا گناہ ملے گا، کیوں کہ مکروہ اوقات میں نفل نماز ادا کرنا جائز ہی نہیں، تو گویا کہ نیکی جب شریعت کی تعلیمات کے خلاف کی جائے تو وہ نیکی نیکی نہیں رہتی بلکہ گناہ بن جاتا ہے، اس سے ان حضرات کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے جو نیکی کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ یہ شریعت کے مطابق ہے بھی یا نہیں۔معلوم ہوا کہ نیکی ہر جگہ نیکی نہیں ہوا کرتی، بلکہ نیکی حقیقی معنوں میں نیکی اس وقت بنتی ہے جب وہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ شریعت کی تعلیمات کے مطابق کی جائے!!

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق عقائد

اللہ تعالیٰ خود بخود موجود ہے، وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ازل سے ہے، اس کی کوئی ابتدا نہیں، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کو فنا نہیں، وہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آسکتی۔

اللہ تعالیٰ خود بخود موجود ہے، اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا اور نا ہی اس سے کوئی پیدا ہوا ہے، بلکہ سبھی کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بیوی اور اولاد سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہر نقصان سے پاک ہے۔ ہر کمزوری اور عجز سے پاک ہے۔ اللہ ہر قسم کی محتاجی سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حقیقت جاننے سے مخلوق عاجز ہے، اس کو اس کے صفات کے ذریعے پہچانا جاسکتا ہے۔ اللہ ہمارے وہم اور تصوارت میں آنے سے پاک ہے۔ اللہ کی ذات ایسی نرالی ہے کہ اس جیسی ذات اور کوئی نہیں، اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

اللہ زمانے سے پاک ہے، زمانہ تو اسی کا پیدا کردہ ہے۔ اللہ مکان سے پاک ہے، مکان کو تو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، وہ مکان سے پہلے بھی موجود تھا۔ عرش اس کا مکان نہیں، اللہ کو عرش کی ضرورت بھی نہیں، وہ عرش سے پہلے بھی موجود تھا۔ اللہ جہت سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات:

اللہ صمد ہے یعنی سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، وہی ہر چیز کو وجود دینے والا ہے۔ لیکن خالق کہلانے میں وہ مخلوق کی پیدائش کا محتاج نہیں، وہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھا۔ اللہ تعالیٰ رزاق ہے، لیکن رزاق کہلانے میں وہ مخلوق کا محتاج نہیں، وہ مخلوق کو رزق دینے سے پہلے بھی رازق تھا۔ اسی طرح اپنی ہر صفت میں اللہ کسی مخلوق کا محتاج نہیں۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا لیکن اس کو مخلوق کی ضرورت نہیں۔

ہر چیز کی خاصیت اور تاثیر پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے، وہی مؤثر حقیقی ہے، وہ جب چاہتا ہے اس چیز سے اس کی تاثیر چھین لیتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ سے جلانے کی تاثیر چھین لی تھی۔

سب کچھ اسی کے ارادے سے ہوتا ہے۔ کائنات میں اصل حاکمیت، اصل اختیار اور حقیقی بادشاہت اللہ ہی کی ہے۔

کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اصل اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔ اللہ تعالی کے تمام فیصلے اور تمام کام نہایت ہی بھلائی اور حکمت پر مبنی ہیں اگرچہ ہماری محدود سوچ اس تک رسائی حاصل نہ کر سکے، اس کے کسی بھی فیصلے میں ذرہ برابر بھی ناانصافی نہیں ہے۔

عبادت کے لائق صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ اللہ نے مخلوق کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے، لیکن اس کو مخلوق کی عبادت کی ضرورت نہیں، بلکہ عبادت کا فائدہ مخلوق ہی کو ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے جُدا اور بالاتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کے ساتھ ہر قسم کی مشابہت سے پاک ہے۔

اللہ دیکھتا ہے اور ایسا زبردست دیکھتا ہے کہ ذرہ ذرہ اس کے سامنے ہے، ایک ذرہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں، ساری مخلوقات کو بیک وقت، بیک لمحہ دیکھتا ہے، لیکن دیکھنے کی ایسی زبردست قدرت کے باوجود بھی وہ آنکھوں سے پاک ہے، دیکھنے کے لیے اس کو آنکھوں کی ضرورت نہیں، وہ آنکھوں کا محتاج نہیں۔ اس کو صفتِ بصر کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سنتا ہے، اور سننے میں زبردست کمال رکھتا ہے کہ ساری مخلوقات کو بیک وقت سنتا ہے، ایک کو سننا اسے دوسرے سے غافل نہیں کر سکتا، سننے میں ایسا زبردست کمال رکھنے کے باوجود وہ کانوں سے پاک ہے، وہ سننے میں کانوں کا محتاج نہیں، یہ صفتِ سمع ہے۔

اللہ تعالی متکلم ہیں، وہ کلام کرتے ہیں، وہ اپنے متکلم ہونے میں کسی سے تکلم کے محتاج نہیں، وہ ازل سے متکلم ہیں، وہ کلام کرنے میں حروف و کلمات کا محتاج نہیں، قرآن کریم سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تعالی نے قرآن کریم کو حروف اور کلمات کے ساتھ آراستہ کر کے اسے نازل کیا تاکہ بندے پڑھ سکیں اور سن سکیں۔ اللہ تعالی کلام کے لیے زبان کے محتاج نہیں اور نہ ہی ان کی مخلوق جیسی زبان ہے، وہ حقیقی متکلم ہونے کے باوجود بھی زبان سے پاک ہے۔

اللہ تعالی کی ایک صفت ''صفتِ معیت'' بھی ہے۔ معیت کا معنی ہے: ساتھ ہونا۔ معیتِ الٰہیہ کا معنی ہے کہ اللہ تعالی اپنے علم، سمع، بصر اور اِحاطہ کے اعتبار سے اپنی مخلوق اور بندوں کے ساتھ ہے، اس کو معیتِ عامہ کہا جاتا ہے۔ دوسری ''معیتِ خاصہ'' ہے جو خاص مومنین کے لیے ہے، اور اس معیت کا معنی بندوں کی نصرت، تائید اور حفاظت ہے کہ وہ مؤمنین کی مدد اور حفاظت کرتا ہے اور ان سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ اللہ کی معیت اور قرب مخلوق کی معیت اور قرب کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ اس کی ایک خاص صفت ہے جو دیگر صفات کی طرح مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے۔

علمِ غیب:

غیب کا مکمل علم رکھنے والی ذات صرف اور صرف اللہ ہی کی ہے، وہی عالم الغیب ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے بہت سی غیب کی باتیں بتلادی تھیں، لیکن نبی کو اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے جتنا کہ اللہ ان کو عطا فرماتا ہے، اس لیے بہت سی غیب کی باتوں کا علم اللہ نے ان کو نہیں دیا۔ اس لیے حضور ﷺ کو عالم الغیب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ متشابہات:

اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن وحدیث میں بعض ایسی صفات بھی ثابت ہیں جو بظاہر مخلوق کے لیے بھی ہیں جیسے ہاتھ کا ہونا، آنکھ کا ہونا، سننا، بولنا، دیکھنا، اترنا وغیرہ، ان کو صفاتِ متشابہات کہا جاتا ہے، اس حوالے سے چند باتیں سمجھنے کی ہیں:

1: ہم ایسی تمام صفات اللہ کے لیے ثابت مانتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایسی صفات پر ایمان لانے کے بعد ہم اس کا معنی ومطلب اور کیفیت نہیں جانتے بلکہ اللہ ہی ان کی حقیقت جانتا ہے۔ اس لیے اس کا حقیقی مطلب اللہ ہی کے حوالے کرتے ہیں۔

2: ان صفات سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ اللہ نے ان الفاظ سے جو معنی مراد لیے ہیں وہ حق ہیں ان پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔

3: اللہ جسم سے پاک ہے، جسم کے اعضا سے پاک ہے، جسم کے اوصاف جیسے کھانا پینا، چلنا، اترنا، چڑھنا، اٹھنا، بیٹھنا، اللہ ان سب سے پاک ہے۔

4: اللہ مخلوق کے ساتھ ہر قسم کی مشابہت سے پاک ہے۔

توحیدِ باری تعالیٰ:

توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اپنی ذات اور صفات میں ایک مانا جائے اور اس کے ساتھ ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، معبود صرف اسی کو مانا جائے، عبادت صرف اسی کی کی جائے، دعائیں اور حاجتیں صرف اسی سے مانگی جائیں، سجدہ صرف اسی کو کیا جائے، مشکل کشا اور حاجت روا صرف اسی کو قرار دیا جائے، استعانت اسی سے طلب کی جائے۔

شرک کی حقیقت:

اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانے کو شرک کہا جاتا ہے۔ شرک کا گناہ دنیا کا سب سے بڑا گناہ ہے، جو کہ اللہ کے غضب کا ذریعہ بنتا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص شرک اور کفر کی حالت میں دنیا سے چلا جائے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔

شرک کی اقسام:

شرک کی متعدد اقسام ہیں، ہر قسم کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

1: شرک فی الذات: شرک فی الذات کے معنی ہیں: اللہ کی ذات اور اس کی خدائی میں کسی کو شریک کرنا، جیسے: عیسائی تین خدا مانتے ہیں، آتش پرست دو خدا مانتے ہیں، ہندو اور بتوں کو پوجنے والے بہت سارے خداؤں کو مانتے ہیں؛ یہ سب شرک فی الذات ہے۔

2: شرک کی دوسری قسم ''شرک فی الصفات'': شرک فی الصفات کے معنی یہ ہیں: اللہ کی ذات میں تو کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے بلکہ اللہ کی مخصوص صفات جو صرف اسی کے لیے ثابت ہیں ان میں دوسروں کو شریک کیا جائے۔ اس شرک کی چند اقسام ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

- شرک فی العبادات:

عبادت ان کاموں کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور بڑائی بجالاتا ہے اور اپنی نہایت ہی عاجزی اور عجز کا اظہار کرتا ہے، جیسے نماز پڑھنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، اس کے گھر کا طواف کرنا، روزہ رکھنا وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ ہر قسم کی عبادت کے لائق صرف اللہ ہی کی ذات ہے، اس لیے کسی مخلوق کے لیے عبادت کی کوئی بھی صورت اختیار کرنا

عبادت میں شرک کے زمرے میں آتا ہے، جیسے: غیر اللہ کو سجدہ یا رکوع کرنا، کسی قبر کو سجدہ کرنا، کسی نبی، ولی، یا پیر وامام کے نام کا روزہ رکھنا، غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنا، کسی غیر اللہ کے نام کی منت ماننا، کسی کے گھر یا قبر کا بیت اللہ کی طرح طواف کرنا، کسی سے اللہ کی طرح حاجتیں مانگنا، غیر اللہ کو اللہ کی طرح پکارنا وغیرہ؛ یہ سب ''شرک فی العبادات'' ہے۔

- شرک فی الحکم:

حاکم یعنی حکم دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حلال و حرام کا اختیار بھی اللہ ہی کے پاس ہے، اس لیے کسی چیز کا حلال ہونا یا حرام ہونا، اللہ تعالیٰ کے حلال یا حرام کرنے کی وجہ سے ہے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں کسی کو شریک کرے تو وہ ''شرک فی الحکم'' کا مرتکب ہے، مثلاً کسی پیر یا ولی کو حلال و حرام کا اختیار دینا اور اس کی منع کردہ چیز کو حرام سمجھنا، جن کاموں کا پیر نے از خود سے حکم کیا اس کو اللہ کے فرض کی طرح فرض اور ضروری سمجھ لینا، یا غیر اللہ کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرح ماننا وغیرہ؛ یہ سب ''شرک فی الحکم'' ہے۔

- شرک فی العلم:

علمِ غیب اللہ کی خاص صفت ہے۔ علمِ غیب اس علم کو کہتے ہیں جو کلی اور ذاتی ہو۔ جو علم جزئی اور عطائی ہو وہ علم غیب نہیں ہوتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں کسی کو شریک کرے وہ ''شرک فی العلم'' کا مرتکب ہے، مثلاً یہ سمجھے کہ فلاں نبی یا فلاں ولی علمِ غیب جانتے ہیں یعنی انہیں کائنات کے ذرے ذرے کا علم ہے، یا وہ اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد ہمارے تمام حالات سے باخبر ہیں، یا انہیں دور اور نزدیک کی تمام چیزوں کی خبر ہے؛ یہ سب شرک فی العلم ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی طرح علم کسی کے لیے ثابت کرنا شرک فی العلم ہے۔

- شرک فی القدرت:

اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ قدرت بھی ثابت ہے کہ وہ ذات قادر مطلق ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا ''شرک فی القدرت'' کہلاتا ہے، مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ پیر بھی بیٹا یا بیٹی دے سکتے ہیں اور اسی وجہ سے بیٹے کا نام ''پیر ادتہ'' رکھنا، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی نبی یا ولی بارش برسا سکتے ہیں، یا مرادیں پوری کر سکتے ہیں، یا مقدمہ میں کامیاب کرا سکتے ہیں، یا روزی دے سکتے ہیں، یا روزی میں فراخی پیدا کر سکتے ہیں، یا زندگی موت ان کے قبضہ میں ہے، یا کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں؛ یہ سب ''شرک فی القدرت'' ہے۔

- شرک فی السمع والبصر:

''سمع'' کا معنی ہے: سننا،اور ''بصر'' کا معنی ہے: دیکھنا۔اللہ تعالی کے لیے خاص قسم کا سننااور خاص قسم کا دیکھنا ثابت ہے جس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ایسا سننااور ایسا دیکھنا مخلوق میں سے کسی کے لیے ثابت نہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ فلاں نبی یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور و نزدیک سے سن لیتے ہیں، ہمیں اور ہمارے تمام کاموں کو دور سے دیکھ لیتے ہیں؛ یہ ''شرک فی السمع والبصر'' ہے۔

- شرک فی الصفات کی ایک اور صورت:

ہر جگہ حاضر ناظر اور ہر جگہ موجود اللہ تعالی کی ذات ہے،اللہ کے سوا کسی نبی یا ولی کے لیے یہ صفت ماننا بھی ''شرک فی الصفات'' ہے۔

اللہ تعالی پر کوئی چیز واجب اور لازم نہیں:

اللہ تعالی پر کوئی چیز واجب اور لازم نہیں، وہ کسی ضابطے اور قانون کا پابند نہیں، جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی اسے پوچھنے والا نہیں۔ اگر وہ اپنی ساری مخلوق کو جہنم یا جنت میں بھیج دے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں، اس لیے کہ اللہ کے سوا کون ہے جو اس پر کوئی چیز واجب کر سکے اور پوچھ سکے۔اہل جنت کا جنت میں داخلہ اس کے فضل و کرم سے ہو گا، کسی کا اللہ تعالی پر کوئی حق نہیں۔

تقدیر سے متعلق عقائد

1۔ تقدیر پر ایمان رکھنا فرض ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں تقدیر کہتے ہیں: جو کچھ اب تک ہو چکا، جو ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہو گا؛ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔

2۔ جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو وہی ہوتا ہے اور جو اس کو منظور نہ ہو وہ نہیں ہوتا۔

3۔ عقیدہ تقدیر کو تسلیم کر لینے سے انسان مجبور نہیں ہو جاتا، بلکہ اس میں اختیار باقی رہتا ہے۔

4۔ تقدیر کی دو اقسام ہیں:

- تقدیرِ مبرَم: یہ وہ تقدیر ہے جو اٹل ہوتی ہے، اس میں کچھ تبدیلی نہیں ہوتی، لوحِ محفوظ میں ایک ہی بات لکھی ہوئی ہوتی ہے جو ہو کے رہتی ہے۔
- تقدیرِ معلّق: یہ وہ تقدیر ہے جو اٹل نہیں ہوتی بلکہ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس تقدیر کو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کام کے ساتھ معلق کر کے لکھتے ہیں کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو فلاں دوسرا کام بھی ہو گا، اور اگر فلاں کام نہیں ہوا تو فلاں دوسرا کام بھی نہیں ہو گا، جیسے کہ اگر زید نے اپنے والدین کی خدمت کی تو اس کی عمر لمبی ہو گی، اور اگر خدمت نہیں کی تو عمر لمبی نہیں ہو گی۔

واضح رہے کہ یہ تقدیر مبرم اور تقدیر معلق بندوں کے اعتبار سے ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر تقدیر مبرم ہی ہوتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کے انجام اور خاتمہ کے متعلق ازل ہی سے واقف اور پوری طرح آگاہ ہے۔

5۔ عقیدہ تقدیر کی وجہ سے کسی کو یہ سوچ کر ایمان واعمال ترک نہیں کرنے چاہیے کہ میرے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا، اس لیے میرے ایمان واعمال سے کیا ہو گا؟ کیوں کہ اوّل تو کسی کو علم نہیں کہ اس کے بارے میں کیا لکھا ہے، جب علم نہیں تو اچھے کام ہی کرنے چاہیے تاکہ انجام اچھا ہو۔ دوم یہ کہ تقدیر میں جہاں نتائج لکھے ہیں وہاں ان کے اسباب وذرائع بھی لکھے ہیں کہ جیسے اگر تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ فلاں جنّتی ہے تو ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایمان واعمال صالحہ کی وجہ سے جنتی ہے۔ سوم یہ کہ دنیا کے بارے میں کوئی یہ سوچ کر کہ جو کچھ لکھا ہے وہی ملے گا وہ رزق کے اسباب ترک نہیں کرتا تو آخرت کے بارے میں بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

6۔ اگر انسان مجبور ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سمیت کسی بھی پیغمبر کو مبعوث نہ فرماتا، آسمانی کتب نازل نہ کرتا، قرآن

کریم نازل نہ ہوتا، قرآن کریم میں احکام وتعلیمات نازل نہ کرتا، جنت بیان کرکے ترغیب نہ دیتااور جہنم بیان کرکے تنبیہ نہ کرتا، دلائل نہ دیتا، مثالیں بیان نہ کرتا، پچھلی قوموں کے واقعات بیان نہ کرتا بلکہ ۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ یہ سب کچھ عبث ہو جاتا!! حالاں کہ ایساہر گز نہیں، اس لیے تقدیر کی وجہ سے ہم مجبور نہیں، بلکہ اللہ نے ہر آدمی کو خیر وشر اور جنت وجہنم کے راستے بتلادیے ہیں اور اس کو اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے لیے کسی ایک راستے کا انتخاب کر سکتا ہے۔

7۔ جنّت اور جہنم سے متعلق تقدیر اللہ کے حکم کا نام نہیں کہ جو کچھ اللہ نے لکھ دیا ہے اسی کے مطابق ہمیں مجبوراً عمل کرنا ہے خواہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں، بلکہ تقدیر اللہ کے علم کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ میں فلاں بندے کو اختیار دوں گا اور وہ اپنے اختیار سے اپنے لیے جنت اور جہنم کا راستہ اختیار کرے گا، اللہ نے اپنے اسی علم کو لکھ دیا۔

8۔ تقدیر سے متعلق بحث نہیں کرنی چاہیے اور اس کی زیادہ تحقیق اور کھود کھرید بھی نہیں کرنا چاہیے، احادیث مبارکہ میں اس سے منع کیا گیا ہے کیوں کہ اس موضوع کی اکثر باتیں انسانی سمجھ سے بالاتر ہیں۔

وسیلہ کی حقیقت:

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں کسی نبی یا ولی کا وسیلہ پیش کرنا بالکل جائز ہے، کہ یوں دعا کی جائے کہ ''اے اللہ! حضور اقدس ﷺ کے وسیلے سے ہماری دعا قبول فرما'' یا: ''امام ابو حنیفہ کے طفیل میری حاجت پوری فرما'' یا: ''حکیم الامت تھانوی کے صدقے میرے گناہ معاف فرما،'' ایسا کرنا جائز بلکہ دعا کی قبولیت کے لیے اہمیت بھی رکھتا ہے، یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ ہمارے اکابر دیوبند کی متفقہ کتاب ''المہند علی المفند'' میں ہے کہ: ''ہمارے اور ہمارے مشایخ کے نزدیک انبیاء، صلحاء، اولیاء، شہداء اور صدقین کا توسُّل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی جائز ہے اور ان کی وفات کے بعد بھی۔''

البتہ یہ یاد رہے کہ وسیلے کی ایک قسم یہ ہے کہ بزرگوں کی قبروں کے پاس جاکر ان سے دعائیں مانگنا، ان سے حاجتیں مانگنا اور یہ سمجھنا کہ ہم ان بزرگوں سے مانگتے ہیں اور یہ اللہ سے مانگتے ہیں تو یہ وسیلے کی یہ قسم حرام اور کھلی گمراہی بلکہ شرک ہے، لیکن جس وسیلے کا اوپر ذکر ہوا اس میں اللہ ہی سے حاجتیں مانگیں جاتی ہیں البتہ صرف انبیاء اور اولیاء کا واسطہ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو۔

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق اہم عقائد

1۔ نبی کی تعریف:

نبی اور رسول وہ معصوم انسان ہوتا ہے جس کو اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہو اور اس کی پیروی کو فرض قرار دیا ہو۔

2۔ تمام پیغمبروں پر ایمان رکھنا فرض ہے:

دنیا میں جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے گئے ہیں ان سب پر ایمان لانا فرض ہے، البتہ پیروی صرف اور صرف اپنے پیغمبر یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی کرنی ضروری ہے۔ جو شخص اللہ، رسولوں اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کامل ایمان نہ رکھتا ہو تو ہر گز مسلمان نہیں ہو سکتا، اگر اسی حالت میں اسے موت آئی تو وہ کفر کی حالت ہی میں دنیا سے جائے گا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

3۔ نبی بھیجنے کا مقصد:

نبی بھیجنے کا مقصد لوگوں کی ہدایت ہوتی ہے کہ لوگ اللہ کو ماننے والے بن جائیں اور اسی کے احکامات کے مطابق عمل کر کے اپنی آخرت درست کر لیں۔

4۔ نبی کو اللہ کی طرف سے براہِ راست علم عطا ہوتا ہے:

نبی دنیا میں کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھتا بلکہ نبی کو براہِ راست اللہ کی طرف سے علوم عطا کیے جاتے ہیں، اسی بنا پر نبی اپنے زمانے میں سب سے بڑا عالم ہوتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ علوم عطا کیے گئے۔

5۔ نبی بشر بلکہ اکمل البشر ہوتا ہے:

دیگر انبیا کرام علیہم السلام کی طرح ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ذات کے اعتبار سے انسان اور بشر ہیں، بلکہ سب سے کامل اور اکمل بشر ہیں۔

6۔ نبوّت محض عطیہ خداوندی ہے:

نبوت ایک وہبی چیز ہے یعنی محض اللہ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے، کوئی بھی شخص اسے محنت وعبادت سے حاصل نہیں کر سکتا۔

7۔ حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت عام ہے:

ہمارے پیارے آقا حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت تمام عالم کے لیے ہے، وہ قیامت تک کے لیے نبی ہیں، حضور ﷺ جس طرح انسانوں کے لیے نبی ہیں اسی طرح جِنّات کے لیے بھی نبی ہیں۔

8۔ عِصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام:

عصمت کا لغوی معنی ہوتا ہے: بچانا، حفاظت کرنا۔ شریعت کی نگاہ میں معصوم وہ شخص ہوتا ہے جس کا ظاہر و باطن نفس و شیطان کی مداخلت سے پاک ہو۔ جو اپنے تمام عقائد، نیتوں، ارادوں، اخلاق، عادات، اقوال، افعال میں نفس و شیطان کے تسلط سے محفوظ ہو اور اللہ کی جانب سے ایسی حفاظت ہوتی ہو کہ اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ نہ ہو سکتا ہو۔ ایسی پاکیزہ ہستیاں انبیا ہی کی ہوتی ہیں، اس لیے یاد رہے کہ تمام انبیا معصوم ہوتے ہیں اور زندگی بھر نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ البتہ نبی سے بسا اوقات اجتہادی خطا ہو سکتی ہے اور یہ نبوت و عِصمت کے منافی نہیں اور نا ہی یہ گناہ کے زمرے میں آتا ہے، لیکن نبی کبھی بھی خطائے اجتہادی پر برقرار نہیں رہتا بلکہ خدا کی جانب سے تنبیہ ہو ہی جاتی ہے۔ اسی طرح نبی سے بعض ایسے کام بھی صادر ہو جاتے ہیں جو جائز تو ہوتے ہیں البتہ افضل اور بہتر نہیں ہوتے جن سے مقصود امت کی تعلیم ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی عیب ہر گز نہیں۔

9۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم:

ہر نبی کی تعظیم اور احترام نہایت ہی ضروری ہے، کسی بھی نبی کی شان میں ادنی سے ادنی گستاخی بھی انسان کو اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔

10۔انبیاء کرام علیہم السلام کی افضیلت:

تمام انبیاء علیہم السلام تمام مخلوقات سے افضل ہیں، اور پھر انبیاء میں بھی بعض انبیاء بعض سے افضل ہیں، ہمارے پیارے آقا حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں، اور ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات، کائنات حتی کہ اللہ کے عرش اور کرسی سے بھی افضل ہیں۔

11۔عقیدہ ختمِ نبوت:

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے ایک لاکھ سے زائد انبیاء کرام بھیجے، یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا کہ وہ سب سے پہلے نبی تھے، اور نبوت کا یہ سلسلہ ہمارے پیارے آقا حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آکر ختم ہوا کہ اللہ نے ان کو آخری نبی بنا کر بھیجا، ان کے بعد کسی بھی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہ عقیدہ ختمِ نبوت ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی شخص کسی جھوٹے مدّعیِ نبوت سے دلیل یا معجزے کا مطالبہ کرے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ مطالبہ عقیدہ ختم نبوت میں شک کے مترادف ہے جبکہ دیگر ایمانیات اور ضروریاتِ دین کی طرح اس عقیدے میں بھی شک کفر ہے۔

12۔انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات:

نبی کی نبوت کی سچائی ثابت کرنے اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نبی کے ہاتھ پر ایسا کام ظاہر فرما دیتے ہیں جو عادت کے خلاف ہو اور لوگوں کو عاجز کر دے۔ اس کو معجزہ کہتے ہیں، معجزہ در حقیقت اللہ ہی کا فعل ہوتا ہے جو کہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ معجزہ نبی کی نبوّت کے برحق ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے البتہ معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جب چاہیں اسے ظاہر کر دیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اور جو معجزہ چاہتے ہیں وہ نبی کے ہاتھوں ظاہر فرما دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مرتبہ کفار کے مطالبے کے عین مطابق نبی کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر فرمایا، اور کافروں کی طرف سے جو مطالبہ، ضد، ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی کی بنا پر کیا گیا اسے پورا نہیں فرمایا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے جو معجزے یقینی اور قطعی دلائل سے ثابت ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے اور انکار کرنا کفر ہے، جیسے: نوح علیہ السلام کی کشتی کا معجزہ، صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ، ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو گلزار بنانے کا

معجزہ، داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو موم کی طرح نرم کرنے کا معجزہ، سلیمان علیہ السلام کو چرند پرند کی بولیاں سکھانے کا معجزہ، انسانوں اور جنوں کو ان کے تابع کرنے کا معجزہ، موسی علیہ السلام کے لیے عصا اور یدِ بیضاء کا معجزہ، اسی طرح عیسی علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے کا معجزہ، پیدائش کے فوراً بعد کلام کرنے کا معجزہ، مٹی کے پرندے بنا کر انہیں زندہ کر کے اڑانے کا معجزہ، اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ، آنحضرت ﷺ کے لیے قرآن کریم کا معجزہ کہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی کوئی اس کی نظیر پیش نہ کر سکا، واقعہ اسراء معجزہ، آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے پھینکی جانے والی مٹی کو کافروں کی آنکھوں میں ڈال دینے کا معجزہ وغیرہ۔

البتہ جو معجزات قطعی دلائل سے ثابت نہیں بلکہ ظنی دلائل سے ثابت ہیں تو ان کا ماننا بھی ضروری ہے، ان کا انکار کرنا گمراہی ہے۔

تنبیہ: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مغالطے سے بچانے کے لیے جھوٹے مدعیِ نبوت کو کوئی معجزہ نہیں دیا، اور نہ ہی اس کی کوئی پیش گوئی پوری ہونے دی، یہی وجہ ہے کہ مرزا قادیانی کی کوئی پیش گوئی سچی ثابت نہ ہوئی بلکہ اس کے خلاف ہی واقع ہوتا رہا۔ دجال کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کئی خرقِ عادت یعنی خلافِ عادت کام ظاہر فرمائیں گے، لیکن وہ نبوت کا دعوی نہیں کرے گا بلکہ خدائی کا دعوی کرے گا۔ اور کانے شخص کے خدائی کے دعوی کی حقیقت ہر انسان جانتا ہے۔

13۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے:

انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے جس کے مطابق عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا ہے، جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی کا بھی خواب دلیل اور حجّت نہیں بن سکتا کہ اس کے مطابق عمل پیرا ہونا ضروری ہو۔ البتہ خوابوں کی اپنی ایک حیثیت ہے جس کا بالکلیہ انکار کرنا بھی درست نہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق عقائد

1۔ صحابی کی تعریف:

صحابی وہ شخص ہوتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو، یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مؤمن ہونے کی حالت میں دیکھا ہو اور اس کا خاتمہ بھی ایمان ہی پر ہوا ہو۔

2۔ صحابہ کرام کی فضیلت:

اللہ نے پوری امت میں سے صحابہ کرام کو منتخب فرما کر بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ محبت کو اپنی محبت اور ان کے ساتھ بغض کو اپنے ساتھ بغض قرار دیا ہے۔ تمام صحابہ عادل، مؤمن کامل اور جنتی ہیں۔ صحابہ کرام کے ساتھ محبت رکھنا ایمان کا حصہ ہے۔ اس لیے ہر صحابی کا احترام اور تعظیم ضروری ہے۔ اللہ دنیا ہی میں ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے ایمان و تقوی اور قلبی کیفیات کا امتحان لے کر انہیں کامیاب قرار دے دیا اور مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب کو ایمان کے ساتھ مزین فرمایا، ان کے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی، اور کفر و فسق اور گناہ کو ان کے لیے ناپسند قرار دے دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور پیروکار قرار دیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود ان کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ آپس میں بڑے مہربان اور کافروں پر بڑے سخت ہیں، وہ بڑے عبادت گزار ہیں، اللہ کی خوشنودی کے طلبگار ہیں، تورات اور انجیل میں بھی ان کی مدح بیان فرمائی، ان کو کامیاب اور جنتی قرار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اپنی امت میں سب سے بہترین قرار دیا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی سب سے افضل ہیں، پھر حضرات صحابہ میں سے بھی بعض صحابہ دیگر صحابہ سے افضل ہیں، جیسے سب سے افضل صحابی حضرت ابو بکر ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی افضل ہیں رضی اللہ عنہم۔ پھر عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ صحابہ دوسرے تمام صحابہ سے افضل ہیں، جن کے نام یہ ہیں: حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم ہیں، پھر اصحابِ بدر، پھر اصحابِ احد، پھر اصحابِ بیعتِ رضوان، پھر فتحِ مکہ سے پہلے اسلام لانے والے اور غزوات میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتحِ مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

3۔ خلافت:

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد 30 سال تک خلافتِ راشدہ کا زمانہ ہے جس کو خلافتِ نبوت بھی کہا گیا ہے۔ ان تیس سالوں میں حضور ﷺ کے جلیل القدر صحابہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ بالترتیب خلیفہ بنے۔ ان چار خلفاء کے فیصلوں کو قبول کرنا اور ان کی سنتوں پر عمل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنا اور آپ ﷺ کے فیصلوں کو قبول کرنا ہے۔

4۔ معیارِ حق:

تمام صحابہ کرام برحق ہیں، صحابہ کرام حق کا معیار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ایمان، اقوال، افعال، عقائد، اخلاق اور عادات کو امت کے لیے معیار اور کسوٹی قرار دیا ہے۔ صحابہ پر اعتماد نہ کرنا در حقیقت دین ہی پر اعتماد نہ کرنا ہے۔

5۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات اور اجتہادی خطائیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات ومشاجَرات امانت، دیانت، تقویٰ اور اختلافِ اجتہادی پر مبنی ہیں، ان میں سے جن سے خطائے اجتہادی ہوئی ہو وہ بھی اجر کے مستحق ہیں، اس لیے کہ خطا کرنے والے مجتہد کو بھی ایک اجر ملتا ہے اور اس سے ایسی خطا پر دنیا میں مواخذہ ہوتا ہے نہ آخرت میں۔ کسی شخص کو صحابہ کے اجتہادی خطاء پر تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کسی بھی صحابی سے اللہ آخرت میں کوئی مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔

فرشتوں سے متعلق عقائد

1: فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں، فرشتوں پر ایمان لانا فرض ہے، فرشتوں کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

2: فرشتے اللہ کے فرمان بردار اور عبادت گزار ہوتے ہیں، وہ لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، وہ معصوم ہوتے ہیں۔

3: فرشتوں میں سے بھی بعض فرشتے دیگر فرشتوں سے افضل ہیں، ان میں سے چار فرشتے سب سے زیادہ اللہ کے ہاں مقرب ہیں:

۱۔ حضرت جبریل علیہ السلام: یہ پیغمبروں کے پاس وحی لانے کے لیے مقرر تھے۔

۲۔ حضرت میکائیل علیہ السلام: یہ بارش برسانے، غلہ اگانے اور اللہ کے حکم سے مخلوق تک روزی پہنچانے کے لیے مقرر ہیں۔

۳۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام: یہ مخلوق کی روح قبض کرنے کے لیے مقرر ہیں۔

۴۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام: یہ قیامت کے دن صور پھونکیں گے۔

4: فرشتوں کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مختلف کاموں پر مقرر ہیں اور ان کاموں کی بجا آوری میں مشغول رہتے ہیں، مثلاً بعض فرشتے انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں، بعض انسانوں کی حفاظت پر مقرر ہیں، بعض فرشتے دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادات میں مشغول رہتے ہیں، بعض فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو تھامے ہوئے ہیں، بعض فرشتے جنت کے خازن اور بعض دوزخ کے خازن ہیں، بعض فرشتے عرش کے ارد گرد صف بستہ کھڑے ہیں، بعض فرشتے بیت المعمور کا طواف کر رہے ہیں، بعض فرشتے امت کی طرف سے پڑھا جانے والا درود وسلام نبی ﷺ پر پیش کرنے پر مقرر ہیں، بعض فرشتے قبر میں میت سے سوالات کرنے پر مقرر ہیں۔ بعض فرشتوں کے دو، بعض کے تین اور بعض کے چار چار پر ہیں، بعض فرشتے لوگوں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں، بعض فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں ہوا، بعض فرشتے نافرمان لوگوں کو عذاب دینے کے لیے نازل ہوتے ہیں جیسے قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ لوط وغیرہ پر عذاب کے لیے آسمانوں سے نازل ہوئے، بعض فرشتے جنت کے اندر جنتیوں کی خدمت کے لیے مقرر ہونگے، اور بعض فرشتے دوزخ میں دوزخیوں کو طرح طرح کا عذاب دینے کے لیے مقرر ہوں گے۔

بزرگانِ دین کے بارے میں عقائد

1۔اولیاءاللہ، بزرگانِ دین، علمائے امت اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا ادب واحترام کرنا چاہیے، توحید کی آڑ میں نہ تو بزرگوں کے کمالات وکرامات کا انکار کرنا چاہیے، اور نہ ہی بزرگوں کے کمالات وکرامات کی بناپر ان کو خدائی کا درجہ دینا چاہیے، بلکہ ان کو خدا کے محبوب بندے گمان کرتے ہوئے ان کو انھی کے مقام ومرتبہ پر رکھنا چاہیے۔

2۔ بزرگوں سے کشف وکرامات کا صدور حق ہے، البتہ ان کا صادر ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ بزرگی اور ولایت کی دلیل ہے، بلکہ اصل چیز شریعت اور سنت کی اتباع ہے، یہی اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کا ذریعہ ہے، ولایت وبزرگی کا تعلق بھی اسی کے ساتھ ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی کشف وکرامت کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ہزارہا کرامتوں پر بھاری ہے، لیکن جو شخص شریعت اور سنت کا پیروکار نہ ہو اس کے سر پر بزرگی اور ولایت کا تاج نہیں سجتا اگرچہ اس سے کشف وکرامات صادر ہوتے ہوں، کیوں کہ شریعت کی خلاف ورزی کے ہوتے ہوئے کشف وکرامات کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

آسمانی کتابوں سے متعلق عقائد

1: اللہ تعالی نے لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے بعض پیغمبروں پر چھوٹی بڑی کئی آسمانی کتابیں نازل فرمائی ہیں۔ان آسمانی کتابوں میں سے جو یقینی اور قطعی دلائل سے ثابت ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے،ان کا انکار کرنا کفر ہے۔

2: آسمانی کتابوں میں سے چار بڑی کتابیں یہ ہیں:

قرآن کریم: یہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔

زبور: یہ حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

تورات: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

انجیل: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

3: آسمانی کتابوں میں لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی تبدیلیاں کی ہیں،اس لیے کوئی بھی آسمانی کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں،البتہ صرف قرآن کریم ہی وہ واحد آسمانی کتاب ہے جو اپنی اصلی شکل وصورت میں مکمل طور پر موجود ہے،اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور کمی زیادتی نہیں ہوئی،قرآن کریم تبدیلی اور کمی زیادتی سے محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا،اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے۔اس لیے جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ قرآن میں تبدیلی ہوئی ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

4: قرآن سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں میں جو تبدیلیاں ہوئیں تو اس کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ تمام کتابیں جس حالت میں نازل ہوئی تھیں ہم اسی اصلی حالت میں ان پر ایمان لاتے ہیں،اسی کو صحیح مانتے ہیں،اور ان میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان کو ہم نہیں مانتے اور ہم ان سے بَری ہیں۔

5: قرآن کریم نازل ہونے کے بعد پچھلی تمام کتابیں منسوخ ہو گئی ہیں،اب صرف قرآن ہی پر عمل کیا جائے گا۔

6: قرآن کریم حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے جو کہ اسلام کے سچے ہونے کی دلیل ہے۔

وحی کی حقیقت اور احادیث سے متعلق اہم عقائد

وحی کی تعریف:

اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کے کسی نبی پر نازل ہو۔(علوم القرآن)

وحی نازل ہونے کے طریقے:

1۔صَلصَلۃ الجرس یعنی گھنٹی کی سی آواز سنائی دینا۔ 2۔فرشتے کا انسانی صورت میں آکر وحی لانا۔

3۔فرشتے کا اپنی شکل میں آنا۔ 4۔خواب میں وحی کا آنا۔

5۔اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلام ہونا۔ 6۔دل میں بات ڈالنا۔

وحی کی اقسام:

ا۔ وحی متلُوّ۔ ۲۔ وحی غیر متلو۔ متلو کے معنی ہیں: تلاوت کی جانے والی۔ قرآن کریم وحی متلو ہے کیوں کہ اس کی تلاوت کی جاتی ہے، جبکہ احادیث وحی غیر متلو ہیں۔

- علم کے تمام ذرائع میں سے سب سے اہم اور افضل ذریعہ وحی ہے۔
- **احادیث بھی وحی ہیں:** قرآن کریم کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوئی جو ہمارے پاس احادیث کی صورت میں محفوظ ہے۔
- قرآن مجید کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالی کی جانب سے نازل ہیں، اور حدیث میں معنی اور مفہوم تو اللہ تعالی کی جانب سے ہوتا ہے لیکن الفاظ نبی کریم ﷺ کے ہوتے ہیں۔
- **حدیث قدسی:** یہ بھی حدیث ہی ہوتی ہے، لیکن اس کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ ایسی حدیث یوں بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
- وحی کے جو طریقے پہلے بیان ہو چکے ہیں ان میں قرآن کریم صرف ایک ہی طریقے سے نازل ہوا یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے، جبکہ حدیث مختلف طریقوں سے نازل ہوئی ہے۔
- جس طرح قرآن دلیل و حجت ہے اسی طرح احادیث بھی دلیل اور حجت ہیں، جو شخص احادیث کو نہیں مانتا یا احادیث کو دلیل نہیں مانتا تو وہ اسلام سے خارج ہے۔

موت، قبر، برزخ اور آخرت سے متعلق عقائد

1۔ موت وحیات کی حقیقت:

جسم میں روح کے داخل ہونے کا نام زندگی ہے، اور روح کے جسم سے جدا ہو جانے کا نام موت ہے۔

2۔ ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے:

ہر انسان کو موت آنی ہے، ہر ذی روح کو موت کا مزا چکھنا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی موت کا آنا حق ہے۔ اس لیے حضور ﷺ سمیت تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی موت آئی، البتہ حضرت عیسی علیہ السلام کو آسمان سے نازل ہونے کے بعد مقررہ وقت پر موت آنی ہے۔

3۔ قبر کا مفہوم:

قبر اسی زمینی گڑھے کا نام ہے جس میں انسان دفن کیا جاتا ہے، یہی اس کا حقیقی معنٰی ہے، البتہ قبر اسی زمینی حصے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ جہاں میت یا میت کے اجزا اور ذرات ہوں وہی اس کی قبر ہے، خواہ وہ یہ زمینی گڑھا ہو یا سمندر کا پانی ہو یا جانور کا پیٹ ہو یا جو بھی جگہ ہو۔

4۔ برزخ کا مفہوم:

برزخ کا معنی ہے: پردہ۔ برزخ زمانے کا نام ہے، موت سے لے کر قیامت تک کا جو زمانہ ہے اس کو برزخ کہا جاتا ہے یعنی عالمِ برزخ۔

5۔ کیا قبر اور برزخ میں تعارض ہے؟

قبر مکان کا نام ہے جبکہ برزخ زمانے کا، اور مکان اور زمانے میں کبھی تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہوا کرتا، اس لیے اگر کوئی مردہ قبر میں مدفون ہے تو وہ قبر میں بھی ہے اور برزخ میں بھی، اسی طرح انسان جب مرتا ہے تو وہ فوراً برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے، تو دفنانے سے قبل جب وہ ہمارے سامنے رکھا ہوا ہوتا ہے تو وہ برزخ میں تو ہوتا ہے لیکن زمینی قبر میں ابھی تک موجود نہیں ہوتا۔

6۔ موت آتے ہی عالمِ برزخ میں منتقلی:

انسان جب مرتا ہے تو وہ فوراً برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے، چاہے وہ ہمارے سامنے رکھا ہوا ہو یا اس کے اعضا اور ذرات جہاں کہیں بھی ہوں۔ برزخ کے حالات کو اللہ نے انسانوں سے چھپا رکھا ہے، قرآن و حدیث میں قبر اور برزخ کے جو جو حالات مذکور ہیں ان کو ماننا ضروری ہے اور ان پر ایمان لانا واجب ہے۔

7۔ ارواح کا مقام:

انسان جب وفات پا جائے تو نیک شخص کی روح علّیّین میں جبکہ بُرے شخص کی روح سِجّین میں چلی جاتی ہے، علیین جنت کا ایک مقام ہے، اور سجین جہنم کا ایک مقام ہے جہاں بُری روحیں جاتی ہیں۔

8۔ عالمِ برزخ میں روح کا اپنے جسم سے تعلق اور حیاتِ برزخی:

عالمِ برزخ میں روح کا اپنے جسم اور جسم کے ذرات کے ساتھ تعلق ضرور ہوتا ہے اور یہ تعلق قیامت تک رہتا ہے، اسی تعلق کو برزخی حیات یا قبر کی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ برزخی حیات ہر مسلمان بلکہ ایک کافر مشرک کو بھی حاصل ہوتی ہے، اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، البتہ حضرات انبیائے کرام اور شہدائے عظام کو برزخ میں خصوصی حیات حاصل ہوتی ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

9۔ عذابِ قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے:

اسی تعلق اور برزخی حیات کی وجہ سے روح پر گزرنے والی ہر اچھی اور بری کیفیت جسم کو بھی محسوس ہوتی ہے گویا کہ عالمِ برزخ کے عذاب و ثواب میں روح اور جسم دونوں شریک ہوتے ہیں، یہی حق عقیدہ ہے۔

10۔ عذابِ قبر حق ہے:

قبر و برزخ کا عذاب اور نعمتیں حق ہیں۔

11۔ جس میت کو زمینی قبر نصیب نہ ہو تو اس کا عذاب؟

عذابِ قبر اسی زمینی گڑھے میں ہوتا ہے، البتہ جس کو یہ زمینی قبر نصیب نہ ہو تو جہاں جہاں مردہ یا اس کے ذرات ہوتے ہیں وہاں اس کو عذاب ہوتا ہے۔

12۔ قبر اور برزخ میں روح کا اعادہ:

قبر اور برزخ میں اس جسم کی طرف روح کا اعادہ ہوتا ہے، یعنی روح لوٹادی جاتی ہے، اس کو اعادۂ روح کہتے ہیں، یہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ بعض کے نزدیک اس اعادہ روح کا مطلب باقاعدہ روح کا جسم میں داخل ہو جانا ہے جبکہ جمہور کے نزدیک اس اعادہ روح کا مطلب روح کا اپنے جسم کے ساتھ تعلق اور اتصال قائم ہو جانا ہے۔

13۔ قبر میں جسم کا خاک ہونا:

قبر میں عام انسان مٹی میں مل جاتا ہے، ذرات کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے، ان ذرات کے ساتھ بھی روح کا تعلق ہوتا ہے اور یہ تا قیامت رہتا ہے، البتہ بعض خوش نصیب مسلمان ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا جسم خاک ہونے سے محفوظ رہتا ہے، جیسے انبیاء کرام اور شہدا۔

14۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور شہدا کے اجسامِ مقدسہ کا تحفظ اور امتیازی حیاتِ برزخی:

شہید کی روح کا تعلق اپنے جسم کے ساتھ عام مسلمانوں کی بنسبت زیادہ مضبوط ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو برزخ میں ایک خصوصی حیات حاصل ہوتی ہے، اس لیے ان کا جسم مٹی نہیں ہوتا اور وہ طرح طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، البتہ ان کی اس برزخی حیات پر دنیوی احکام جاری نہیں ہوتے بلکہ ان کی میراث بھی تقسیم ہوتی ہے، ان کی بیویاں بھی بیوہ ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے کسی اور کے ساتھ ان کا نکاح بھی درست ہوا کرتا ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ کا تعلق اپنے مبارک جسموں کے ساتھ سب سے زیادہ مضبوط اور قوی ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کو عالم برزخ میں شہدا سے بھی بڑھ کر ایک خاص زندگی عطا ہوتی ہے۔ حضرت انبیا کرام کی یہ حیاتِ برزخی عام انسانوں، مسلمانوں حتی کہ شہدا کی برزخی حیات کی طرح نہیں ہوتی بلکہ ان سے بڑھ کر ہوتی ہے، اور اسی امتیازی حیات کا اثر ہے کہ دنیوی زندگی کے بعض احکام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر وفات کے بعد بھی جاری ہوتے ہیں جیسا کہ ان کی ازواج مطہرات سے نکاح کا جائز نہ ہونا، نبی کی میراث کا تقسیم نہ ہونا، اور قبر مبارک میں نماز ادا کرنا، قبر مبارک کے پاس سلام کہنے والے کا سلام سننا وغیرہ۔

15۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی سے متعلق عقیدہ:

1: تمام انبیاء کرام اور خصوصًا حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور یہ زندگی انھی دنیاوی جسموں میں حاصل ہے، یہ زندگی دنیاوی بھی ہے اور برزخی بھی، دنیاوی تو اس معنی میں ہے کہ اسی دنیاوی جسم میں حاصل ہے اور دنیوی زندگی کے مشابہ ہے حتی کہ بعض دنیوی احکام بھی اس حیاتِ برزخی پر جاری ہوتے ہیں، اور ان کی یہ حیات برزخی اس طور پر ہے کہ یہ برزخ میں حاصل ہے۔

2: حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں نماز بھی پڑھتے ہیں، البتہ یہ نماز کسی شرعی پابندی کے طور پر نہیں بلکہ لذت و سرور کے طور پر ہے۔

3: حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پاس جو شخص درود پڑھتا ہے تو حضور ﷺ اس کو خود سنتے ہیں، اور جواب عنایت فرماتے ہیں، اور جو شخص دور سے درود پڑھتا ہے تو فرشتوں کے ذریعے ان تک پہنچایا جاتا ہے۔

16۔ انبیاء علیہم السلام کو موت آنے اور موت کے بعد حیات ہونے سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ:

ما قبل میں یہ بیان ہو چکا کہ ”ہر انسان کو موت آنی ہے، ہر ذی روح کو موت کا مزا چکھنا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی موت کا آنا حق ہے۔ اس لیے حضور ﷺ سمیت تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی موت آئی، البتہ حضرت عیسی علیہ السلام کو آسمان سے نازل ہونے کے بعد مقررہ وقت پر موت آنی ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اور دیگر حضرات انبیاء کرام کی موت میں اختلاف نہیں بلکہ یہ تو ایک مسلم حقیقت ہے۔ در حقیقت بحث تو حیات بعد الممات یعنی موت کے بعد قبر کی زندگی میں ہے، اس لیے جن آیات واحادیث میں حضور ﷺ اور حضرات انبیاء کرام کو موت آنے کا ذکر ہے ان سے قبر کی زندگی کی نفی نہیں ہوتی کیوں کہ موت آنا تو اجماعی عقیدہ ہے۔

17۔ قیامت، پل صراط اور جنت و جہنم:

پل صراط سے گزرنا حق ہے، جنت اور جہنم حق ہیں، اور قیامت کے حالات حق ہیں۔

18۔ حضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا حکم:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنا نہ صرف مستحب بلکہ عمدہ ترین نیکی اور افضل ترین عبادت ہے۔

اجتہاد و تقلید

1۔ قرآن وسنت دین کے مرکزی دلائل اور اصول ہیں:

امتِ مسلمہ کی ہدایت کے لیے قرآن وسنت دو بنیادی اور مرکزی دلائل اور ستون ہیں۔ عقائد، مسائل اور اخلاقیات سمیت تمام تر دینی علوم اور تعلیمات کا سرچشمہ یہی دو اصول ہیں۔ حضرات صحابہ کرام بھی اصولی طور پر انھی دو ہدایت کے سرچشموں سے فیضیاب ہو کر انعاماتِ الٰہیہ کے مستحق بنے، اور یہی امت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ حضرات صحابہ کرام، تابعین کرام اور ائمہ مجتہدین کے علوم اور اجتہادات میں انھی دو دلائل کو اوّلین حیثیت حاصل ہے۔

2۔ شرعی دلائل چار ہیں:

جہاں تک شرعی دلائل کا معاملہ ہے تو حضرات صحابہ کرام، حضرات ائمہ اربعہ سمیت اہل السنۃ والجماعۃ کے تمام جلیل القدر اہل علم کے نزدیک شرعی دلائل چار ہیں جو کہ بالترتیب یہ ہیں: قرآن وسنت اور اجماع و قیاس۔ ان چار دلائل میں بنیادی اور مرکزی دلائل قرآن وسنت ہی ہیں، البتہ جو دینی بات قرآن وسنت میں انھیں نہ ملے یا نصوص میں ظاہری طور پر تعارض اور ٹکراؤ سامنے آئے تو پھر اس کا حل امت کے اجماع میں تلاش کیا جاتا ہے، لیکن اگر اس بات سے متعلق اجماع بھی موجود نہ ہو تو پھر امت کے مجتہدین اپنے خداداد علوم واستعداد اور مجتہدانہ بصیرت کی بنا پر قرآن وسنت میں اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے ہیں، اس سے یہ غلط فہمی بھی دور ہو جاتی ہے کہ حضرات ائمہ کرام قرآن وسنت کے مقابلے میں اجتہاد سے کام لیتے ہیں یا قیاس کو لے کر قرآن وسنت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس تحریر میں اجماع و قیاس سے متعلق دلائل دینا مقصود نہیں، البتہ سرِدست ایک غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے، اور وہ یہ ہے کہ بعض حضرات سمجھتے ہیں کہ دین میں قرآن وسنت کے علاوہ کسی امام مجتہد کی بات ماننے کا ذکر ہی نہیں بلکہ ان کی بات ماننا قرآن وسنت کی خلاف ورزی ہے۔ یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ ان حضرات نے۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ امام مجتہد کو قرآن وسنت بلکہ حضور ﷺ کے مدِّمقابل لا کھڑا کیا اور یہ تاثُّر دینے کی کوشش کی گئی کہ گویا امام مجتہد کی بات ماننے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت اور حضور ﷺ کو ترک کیا جا رہا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون! اور یہ وہ غلط فہمی ہے جس سے نجانے کتنے ہی سادہ لوح مسلمان شرعی اور ضروری تقلید کا انکار کر بیٹھے!! اس غلط فہمی پر تبصرہ کرنے سے پہلے تقلید کی حقیقت اور اس سے متعلق اہم امور پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

3۔ تقلید کی تعریف:

دین میں کسی معتبر مجتہد امام کی بات پر اعتماد کر کے اس کی پیروی کرنا اور ان سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا؛ تقلید کہلاتا ہے۔اس لیے ہمارے اعتماد کے مطابق وہ مجتہد قرآن وسنت اور شرعی دلائل ہی کی روشنی میں مسائل کا حل بتلاتا ہے۔اس تعریف سے تو بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ تقلید کا معنی یہ ہر گز نہیں کہ قرآن وسنت کو چھوڑ کر کسی امام کی بات مانی جائے بلکہ قرآن وسنت پر عمل کرنے کے لیے ہی امام کی بات مانی جاتی ہے۔

4۔ تقلید کیوں کی جاتی ہے؟

دین ودنیا کے ہر معاملے میں دیکھا جائے تو دو ہی طبقے سامنے آتے ہیں: ایک تو ماہرین کا طبقہ اور دوسرا وہ طبقہ جو خود ماہرین نہیں ہیں البتہ ماہرین کی پیروی کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ جو ماہر نہیں ہیں وہ ماہرین کی پیروی ہی کرتے ہیں اور یہی ان کے لیے ضروری ہے۔ ہم تقلید اس لیے کرتے ہیں کہ ہم مجتہد نہیں ہیں، ہمیں قرآن وسنت کے تمام تر علوم حاصل نہیں ہیں، اسی طرح وہ علوم جو قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے اہم ہیں ان سے بھی ہم کماحقّہ واقف نہیں ہیں، ہم قرآن وسنت کو کما حقہ نہیں سمجھتے اور نا ہی مجتہدانہ صفات رکھتے ہیں، بلکہ ہم اگر قرآن وسنت کو براہِ راست کچھ کچھ سمجھ بھی جائیں تب بھی ہماری ناقص سمجھ اور فہم پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اور پھر یہ بات تو بالکل ہی ظاہر ہے کہ ہماری حد درجہ ناقص سمجھ کے مقابلے میں امت کے ائمہ مجتہدین کی سمجھ نہایت ہی عالی اور قابلِ اعتماد ہے، اس لیے ہماری بات کے مقابلے میں ان کی بات کی اہمیت زیادہ ہے، بلکہ ہماری فہم کی کیا مجال؟؟ امت کے جلیل القدر اہلِ علم، حضرات محدثین کرام، اولیاءاللہ، بزرگانِ دین، حضرات فقہائے کرام بھی انھی چاروں میں سے کسی ایک کے پیروکار رہے ہیں، جن کا علم وفضل امت میں تسلیم شدہ تھا، جب وہ تقلید پر عمل پیرا تھے۔۔۔ حتی کہ خود حضرات صحابہ کرام میں سے بھی مجتہدین چند ہی تھے جبکہ باقی دیگر انھی کی تقلید کرتے تھے۔۔۔ تو آج کے مسلمان کے لیے ائمہ کرام کی تقلید سے سوا اور کیا چارہ ہو سکتا ہے؟؟ اور یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر ہر ایک مسلمان کے لیے براہِ راست قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا اور خود مسائل اخذ کرنا ضروری ہوتا تو قرآن وسنت میں اہلِ علم سے پوچھنے اور ان کی پیروی کرنے کی تاکید نہ کی جاتی۔

5۔ صرف ائمہ اربعہ کی تقلید کی ایک عام فہم وجہ:

ویسے تو امت میں بہت سے ائمہ مجتہدین گزرے ہیں لیکن امت میں جن مجتہدین کو قبولیت حاصل ہوئی، جن کا فقہ

مدوّن اور جمع ہوا اور امت میں پھیلا وہ چار ہی ہیں: امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے امت میں انھی کے مذاہب جاری فرمائے، اگر کوئی شخص انھی میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا چاہے تو اسے دین کی مکمل تعلیمات میسر آسکتی ہیں، جبکہ دیگر مجتہدین کی فقہ مکمل طور پر مدوّن نہیں ہوئی۔

6۔ کسی ایک امام کی تقلید کی عام سی وجہ:

قرآن وسنت میں جابجا شریعت کی مکمل اتباع کا حکم دیا گیا ہے جبکہ نفس اور نفسانی خواہشات کی اتباع سے سختی سے روکا گیا ہے، کیوں کہ نفس پرستی کا نام دین نہیں ہو سکتا۔ خیر القرون میں اجتہاد بھی تھا اور تقلید بھی تھی حتی کہ تقلید شخصی بھی ہوتی تھی البتہ کسی ایک مجتہد کی تقلید لازم قرار نہیں دی گئی بلکہ چوں کہ مجتہدین کی بڑی تعداد موجود تھی اس لیے جو لوگ مجتہد نہ تھے وہ کسی بھی مجتہد سے مسائل پوچھ لیتے تھے، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ خیر القرون کا بہترین زمانہ تھا ،خوفِ خدا اور تقویٰ غالب تھا اور نفس پرستی عام نہ تھی اس لیے لوگ خوفِ آخرت سے لبریز تھے اور دین پر عمل کی سچی نیت کے ساتھ کسی بھی مجتہد سے مسئلہ پوچھ لینے میں حرج نہ تھا کیوں کہ مقصود دین ہی کی اتباع تھی، دوسری وجہ اس کی یہ تھی کہ ائمہ مجتہدین کے مذاہب مدوّن نہیں ہوئے تھے اس لیے کسی ایک ہی کی تقلید مشکل تھی، پھر جب ائمہ اربعہ کا زمانہ آیا تو ان کے مذاہب مدوّن ہوئے، اب یہ سہولت ہو گئی کہ اگر کوئی غیر مجتہد شخص ان میں سے کسی ایک مجتہد کی تقلید کرنا چاہے تو وہ بآسانی کر سکتا ہے اور اس کو اپنے دین کے بارے میں مکمل راہنمائی میسر آسکتی ہے، اس لیے چاروں مذاہب برحق ہیں کیوں کہ یہ شرعی دلائل کی روشنی میں ائمہ مجتہدین ماہرین کے اجتہادات کا نتیجہ ہیں۔

البتہ چوں کہ ان مذاہب کے مابین بہت سے مسائل میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں اور خیر القرون کی طرح خوفِ خدا اور تقویٰ بھی باقی نہ رہا بلکہ نفس پرستی کا عام رواج ہو گیا اس لیے اگر ان میں سے کسی ایک کی تقلید لازم قرار نہ دی جائے تو معاملہ دین کی اتباع کی بجائے نفس پرستی تک جا پہنچے گا، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ نفس سہولت اور آسانیاں تلاش کرتا ہے خصوصًا اس فتنوں کے دور میں اور دین بیزاری کے ماحول میں نفس کی سرکشی عام فتنہ بن چکا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا ضروری ہے تاکہ اسی کی سختی اور نرمی دونوں پر عمل کیا جاسکے۔

7۔ کیا ائمہ مجتہدین کے پاس حلال و حرام کا اختیار ہے؟؟

یہ بات تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ چاروں مذاہب کے پیروکار اپنے ائمہ مجتہدین کو خدائی یا نبوی اختیارات ہر گز نہیں دیتے کیوں کہ یہ تو ایمان کے خلاف اور سنگین جرم ہے، یہ اتنی بدیھی بات ہے کہ اس کی وضاحت کی بھی ضرورت نہیں، لیکن یہ ایک افسوس ناک بات ہے کہ تقلید کے منکرین ہم پر ایک بے بنیاد اعتراض کرتے ہیں بلکہ پروپیگنڈہ بھی کرتے ہیں کہ ہم نے ائمہ کو خدائی یا نبوی اختیارات دیے ہوئے ہیں۔ یقیناً یہ سراسر ناانصافی ہے۔ حتی کہ قرآن میں جہاں کہیں یہود و نصاریٰ کی مذمت آئی ہے کہ انھوں نے اپنے علما اور بزرگوں کو خدائی اختیارات سپرد کیے تھے تو یہ تقلید کے منکرین وہی آیات مقلدین پر چسپاں کر دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کس قدر ناانصافی کی بات ہے کیوں کہ ہم بھی ان آیات پر ایمان رکھتے ہیں، ان میں جس گمراہی کی مذمت کی گئی ہے ہم بھی اس کی مذمت کرتے ہیں، اور یہ واضح حقیقت ہے کہ ہمارا عقیدہ یہود و نصاریٰ والا ہر گز نہیں ہے معاذ اللہ، بلکہ ایک مؤمن کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ حرام و حلال کا اختیار کسی امام کو دے دے؟ بلکہ اللہ ہی کے پاس اس کے اختیارات ہیں۔

8۔ جب حرام و حلال کا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے تو ائمہ کے مابین حرام و حلال کا اختلاف کیوں ہے؟

یاد رکھیے کہ ائمہ کے مابین جن امور میں حلال و حرام کا اختلاف ہے تو وہ اجتہادی امور ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک تو حرام و حلال وہ ہے جو قرآن و سنت سے بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا اور حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے آگاہ فرمایا، واضح طور پر ثابت ہونے والے حرام و حلال میں تو اختلاف ہی نہیں، یہ اجماعی امور کہلائے جاتے ہیں کہ ان پر سب کا اتفاق ہوا کرتا ہے، جیسا کہ ہونا بھی چاہیے، لیکن بہت سی چیزوں کے بارے میں قرآن و سنت میں اصولی باتیں تو بیان ہوئی ہیں لیکن صراحت سے ان کا ذکر نہیں، اس صورت میں اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی طرف سے مجتہدین کو جو اجتہاد کی اجازت ہوتی ہے تو اس اجتہاد کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین قرآن و سنت ہی کی روشنی میں کسی چیز کے جائز ناجائز اور حرام و حلال کی تعیین کرتے ہیں، جب مجتہد قرآن و سنت کی روشنی میں کسی چیز کے حرام و حلال کو بیان کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہوتا ہے اس امام کے پاس حرام و حلال کا اختیار ہے بلکہ وہ قرآن و سنت سے کسی چیز کے حرام یا حلال ہونے کا حکم ظاہر کر رہا ہوتا ہے کیوں کہ اجتہاد شریعت بنانے کا نام نہیں بلکہ قرآن و سنت میں موجود شریعت کو ظاہر کرنے کا نام ہے، اس لیے یہ بات سمجھیے کہ کسی چیز کو حرام اور حلال کرنے اور کسی چیز کے بارے میں حرام و حلال کا حکم واضح کرنے میں واضح فرق ہے، حرام و حلال کا اختیار تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کے ذریعے صراحتاً یا اشارتاً جن

چیزوں کو حلال یا حرام قرار دیا ہے ان کو بیان کرنے، ان کو واضح کرنے کا کام ائمہ مجتہدین کا ہے، اس لیے ائمہ مجتہدین کسی چیز کو حرام یا حلال بناتے نہیں بلکہ بتاتے ہیں، دونوں میں فرق واضح ہے۔ اب حرام و حلال سے متعلق ائمہ مجتہدین کے اس اجتہادی اختلاف کو مثال سے سمجھیے کہ احناف کے نزدیک سمندری جانداروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے جبکہ بعض ائمہ کے نزدیک سمندری تمام جاندار حلال ہیں، اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں مچھلی کے حلال ہونے کا تو ذکر صراحت سے آیا ہے جبکہ کیکڑے، جھینگے وغیرہ کا صراحت سے ذکر نہیں آیا ہے، اب ظاہر ہے کہ امت کی راہنمائی کے لیے مجتہد امام کے لیے کیکڑے کے حرام یا حلال ہونے کا حکم تو واضح کرنا ہی ہوگا، اس کے لیے جب وہ قرآن وسنت کے نصوص پر غور کرے گا تو اس کا حکم واضح کردے گا، تو چوں کہ ائمہ مجتہدین کے مسائل کے استنباط کا طریقہ، اصول اور مزاج الگ الگ ہوتا ہے اس لیے مجتہدین کے مابین کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے میں ایسے اختلاف کا پایا جانا کچھ بعید نہیں بلکہ ایک واقعی حقیقت ہے، یہ اجتہادی اختلاف عہد نبوی میں بھی ہوا، عہدِ صحابہ میں بھی اور عہدِ تابعین و تبع تابعین میں بھی، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ائمہ کے مابین اجتہادی اختلاف کے اسباب کو تفصیلی اور بہترین انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اس اجتہادی اختلاف کا درست ہونا اور اس کا امت کے لیے رحمت ہونا واضح سی بات ہے جس کے دلائل بارہا بیان ہو چکے، گویا کہ امام مجتہد قرآن وسنت سے اللہ تعالی کا منشا ہی واضح کر رہا ہوتا ہے، اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کر رہا ہوتا، نہ ہی آج تک امت نے یہ مطلب مراد لیا ہے۔

9۔ مذاہبِ اربعہ میں اختلاف کی نوعیت:

مذاہبِ اربعہ کے مابین حلال و حرام کا اختلاف بھی ہے، جائز و ناجائز کا اختلاف بھی ہے، سنت ہونے اور سنت نہ ہونے کا اختلاف بھی ہے، مکروہ ہونے اور مکروہ نہ ہونے کا اختلاف بھی ہے، فرض و واجب ہونے اور نہ ہونے کا اختلاف بھی ہے، جب اختلاف کی نوعیتیں مختلف ہیں تو ان کا حکم بھی مختلف ہی ہوگا۔

10۔ مذاہبِ اربعہ کے مقلّدین کا نقطہ نظر:

ان تمام اختلافات کے باوجود ان کے مابین حق و باطل کا اختلاف نہیں کہ ایک امام کا مقلد دوسرے امام کے مذہب کو باطل سمجھتا ہو، بلکہ ہر مذہب کا پیروکار یہ سمجھتا ہے کہ یہ چاروں مذاہب اپنے اپنے طور پر درست ہیں کیوں کہ ائمہ اربعہ نے قرآن وسنت کی روشنی ہی میں مسائل کا استنباط کیا ہے، یہ اختلاف اجتہادی ہے جو عہدِ نبوی ہی سے چلا آرہا ہے، البتہ

میرے امام کا مذہب قرآن وحدیث اور شرعی دلائل کی روشنی میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے اور یہ بھی ایک بڑی وجہ ترجیح ہوتی ہے کسی امام کے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی۔

11۔ کسی دوسرے امام کی کسی بات پر عمل کرنے سے متعلق ایک اہم پہلو:

اس لیے عام حالات میں تو اپنے امام کو چھوڑ کر کسی اور امام کی کسی بات پر عمل کرنے کی متعدد خرابیاں ہیں وہاں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ بندہ جس مذہب کو زیادہ صحیح سمجھتا ہو تو وہ اس کو چھوڑ کر کسی ایسے مذہب پر کیسے عمل کر سکتا ہے جو اپنے مذہب کے مقابلے میں زیادہ صحیح نہ ہو؟؟ ظاہر ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کو کیسے چھوڑ سکتا ہے جسے اپنانے کے اس کے پاس متعدد دلائل ہوں؟؟

12۔ کیا ہم کبھی کبھار سنت کی نیت سے رفع الیدین کر سکتے ہیں؟

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ چوں کہ حضور ﷺ نے نماز میں رفع الیدین بھی کیا ہے تو کیا میں سنت کی نیت سے کبھی کبھار اس پر عمل کر سکتا ہوں؟؟ تو بندہ نے ان کو تفصیل سے سمجھا کر ان کی غلط فہمی دور کی کہ:

- رفع الیدین میں ائمہ کرام کا باہمی اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ یعنی افضل ہونے اور نہ ہونے کا ہے، جہاں تک احناف کا مسلک ہے تو شرعی دلائل کی روشنی میں ان کے نزدیک رفع الیدین سنت نہیں ہے، اس لیے جو شخص امام اعظم رحمہ اللہ کا مقلد ہے وہ رفع الیدین پر سنت کی نیت سے کیسے عمل کر سکتا ہے؟؟
- ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جیسا کہ دیگر بعض ائمہ کے ہاں رفع الیدین کرنا سنت ہے اسی طرح احناف کے ہاں رفع الیدین کا ترک سنت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رفع الیدین نہیں کرتا تو وہ بھی سنت ہی پر عمل کر رہا ہے، اس لیے جب وہ پہلے ہی سے سنت پر عمل پیرا ہے تو اس کے لیے اس سنت کو چھوڑ کر رفع الیدین پر سنت کی نیت سے عمل کیسے مناسب ہے؟؟
- اسی طرح شرعی دلائل کی روشنی میں جس عمل کے چھوڑنے کو وہ سنت سمجھ رہا ہے، اسی کو راجح سمجھتا ہے اور اپنی آخرت کے لیے اسی کو کامیابی سمجھتا ہے تو اس کو سنت کی نیت سے کیسے اختیار کر سکتا ہے؟؟ دین سے واقف شخص بخوبی آگاہ ہے کہ جس طرح بعض اعمال کو کرنا سنت ہوتا ہے اسی طرح بعض اعمال کو نہ کرنا سنت ہوتا ہے!!

الحمدللہ کہ ان صاحب کو بات سمجھ آگئی کہ جب ہم پہلے ہی سے ایک سنت پر عمل پیرا ہیں تو اس کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں ایک ایسے عمل کے لیے جن کو ہم سنت نہیں سمجھتے؟؟اس لیے تمام احباب یہ نکتہ ذہن نشین کرلیں کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ ہی کی محبت میں رفع الیدین کو ترک کیا ہے کہ ہمارے نزدیک رفع الیدین نہ کرنا سنت ہے۔ اس لیے یاد رکھیے کہ عام حالات میں ایک امام کا مقلد اپنے ہی امام کے مذہب پر عمل کرے گا کیوں کہ اس کو وہ دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور راجح سمجھتا ہے، اسی کو اپنے لیے آخرت میں ذریعہ نجات سمجھتا ہے، اور اسی میں ہوس پرستی اور نفس پرستی سے حفاظت ہے۔

13۔ مخصوص حالات میں کسی دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کا حکم:

البتہ جہاں تک مخصوص حالات میں کسی اور امام کے مذہب پر فتوی دینے کا مسئلہ ہے تو اس کی بھی اپنی شرائط ہیں جن سے اکابر فقہائے کرام بخوبی واقف ہیں، اس صورت میں ان کا دیگر امام کے مذہب پر فتوی دینا بھی شرعی دلائل ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے، وہی شرعی دلائل کا تقاضا ہوتا ہے، اس میں امت پر شفقت اور امت کے لیے سہولت مضمر ہوتی ہے، لیکن وہ مخصوص حالات ہوتے ہیں، ان پر عام حالات کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

14۔امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کی وجہ:

ہم امام اعظم کی تقلید اس لیے کرتے ہیں کہ وہ تابعی ہیں، وہ دیگر تمام مجتہدین سے علم و فضل اور اجتہادی صلاحیتوں میں افضل ہیں، اس لیے ہمارے نزدیک ان کی بات زیادہ قابل اعتماد ہے، اور ہمارے برصغیر میں انھی کی فقہ روزِ اول سے رائج ہے، اس لیے ہمیں فقہ حنفی کے مسائل سے گہری مناسبت ہے اور اس کے بارے میں مکمل معلومات بھی۔

خلاصہ یہ کہ جو مسلمان مجتہد نہ ہو تو اس کے لیے کسی مجتہد کی تقلید ضروری ہے، تقلید کے بغیر وہ دین اسلام پر عمل نہیں کر سکتا۔

15۔ تقلید درج ذیل امور میں کی جاتی ہے:

۱۔قرآن وحدیث کو سمجھنے میں۔

۲۔ان مسائل میں جو قرآن وسنت میں صراحت سے بیان نہیں ہیں۔

۳۔جو مسائل قرآن وسنت میں بیان تو ہوئے ہیں لیکن ان میں بظاہر تعارض اور ٹکراؤ نظر آتا ہے۔

ان امور میں مجتہد کے ذمّے اجتہاد جبکہ مقلد کے ذمّے ان کی تقلید واجب ہوتی ہے۔

یقیناً یہ تمام تر تفصیل ایک منصف مزاج شخص کے لیے باعثِ اطمینان ہے اور اس سے اس غلط فہمی کا بخوبی ازالہ ہو جاتا ہے کہ ''دین میں قرآن وسنت کے علاوہ کسی امام مجتہد کی بات ماننے کا ذکر ہی نہیں بلکہ ان کی بات ماننا قرآن وسنت کی خلاف ورزی ہے۔'' بلکہ امت کے معتبر امام مجتہد کی تقلید اور پیروی قرآن وسنت کے مطابق اور ایک مسلمان کی ضرورت ہے الحمدللہ۔

دینی تعلیمات کا خلاصہ

مع عقائد، فقہ اور تصوف سے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ ومشائخ کا تذکرہ

دین دو چیزوں کا نام ہے:

1۔عقائد، 2۔اعمال۔

عقائد:

عقائد جمع ہے عقیدہ کی۔ عقائد ان اہم باتوں کا نام ہے جو دین و مذہب کے نام پر پختگی کے ساتھ دل میں جما لی جائیں۔ یادرہے کہ عقائد درحقیقت دین کی بنیاد ہوا کرتے ہیں، انہی پر ایمان وکفر اور حق و باطل کا دارومدار ہوا کرتا ہے۔

عقائد کی اقسام:

بنیادی طور پر عقائد کی دو اقسام ہیں:

- ایک وہ عقائد ہیں جن پر ایمان کا دارومدار ہے کہ ان کو ماننا مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے، ان میں سے کسی بھی عقیدے کا انکار کفر ہوا کرتا ہے، جیسے توحید، ختمِ نبوت، آخرت، نماز، روزہ جیسے ضروریاتِ دین کو تسلیم کرنے کا عقیدہ۔
- عقائد کی دوسری قسم وہ ہے کہ جن پر اہل السنۃ والجماعۃ کا دارومدار ہے کہ حق جماعت اہل السنۃ والجماعۃ میں شمولیت کے لیے ان عقائد کو ماننا ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک عقیدے کا انکار بندے کو اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج کر دیتا ہے، جیسا کہ شروع میں تفصیل بیان ہو چکی۔

اعمال کی دو قسمیں ہیں:

- ظاہری اعمال، جن کا تعلق ظاہری اعضا کے ساتھ ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوت، وضو، غسل، تجارت، نکاح وغیرہ۔
- باطنی اعمال، جن کا تعلق دل کے ساتھ ہے، جیسے اخلاص، تواضع، خوفِ خدا، ریاکاری، تکبر، عُجب وغیرہ۔

ظاہری اعمال سے متعلق احکام کا نام ''فقہ'' ہے، جس میں مسائل سے گفتگو کی جاتی ہے، اور باطنی اعمال سے متعلق احکام کا نام ''تصوف'' ہے۔ تصوف درحقیقت باطن کو بُرے اخلاق سے پاک کرنے اور پاکیزہ اخلاق سے منوّر کرنے کا نام ہے، یہی تصوف کے سلسلوں کا مقصد ہے۔ اور اس کام کے لیے مفید تر راستہ یہ ہے کہ کسی مستند شیخ و مرشد سے تعلق قائم کر لیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ دین تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے: 1: عقائد۔ 2: فقہ۔ 3: تصوف۔

عقائد میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مشہور ائمہ: عقائد میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مشہور ائمہ دو ہیں:

1۔ امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ۔

2۔ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ۔

یہ دونوں ائمہ کرام اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ امام ہیں، اور ہم بنیادی طور پر عقائد میں ان دونوں حضرات ہی کے پیروکار ہیں۔ دونوں ائمہ کا عقائد میں کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہیں، ان دونوں حضرات نے قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح عقائد و نظریات واضح طور پر بیان فرمائے، اور گمراہ فرقوں سے امت کو بچانے اور صحیح عقائد کی اشاعت میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں، اس لیے امت میں انہیں عقائد کے معاملے میں امامت کا درجہ حاصل ہوا۔ انہی حضرات کی پیروی میں ہم ماتریدی اور اشعری کہلائے جاتے ہیں۔

فقہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ کرام:

فقہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے چار ائمہ ہیں جن کے مذاہب دنیا میں رائج ہوئے:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ۔ 2: امام مالک بن انس رحمہ اللہ۔

3: امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ۔ 4: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔

یہ چاروں امام برحق ہیں، البتہ ان میں سے کسی ایک امام ہی کی تقلید ضروری ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ مذاہبِ اربعہ کا یہ اختلاف فرقہ واریت نہیں کیوں کہ فرقے عقائد کے اختلاف سے بنتے ہیں جبکہ مذاہبِ اربعہ کے مابین عقائد کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ یہ فروعی اجتہادی اختلاف ہے جو کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ سے چلا آرہا ہے، یہ مذموم نہیں بلکہ یہ حق ہے اور امت کے لیے بڑی رحمت بھی!

تصوف میں اہل السنۃ والجماعۃ کے سلسلے:

تصوف میں اہل السنۃ والجماعۃ کے متعدد سلسلے ہیں البتہ ان میں سے چار سلسلے مقبول اور مشہور ہیں:

1: چشتیہ، جو کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔

2: قادریہ، جو کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔

3: نقشبندیہ، جو کہ حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبندی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔

4: سہروردیہ، جو کہ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔

یہ چاروں سلسلے برحق ہیں، بعض مشائخ ان میں سے کسی ایک میں بیعت کرتے ہیں جبکہ بعض مشائخ ان چاروں میں بیک وقت بیعت کرتے ہیں، دونوں طریقے رائج اور درست ہیں۔

(وضاحت: یہ عقائد درج ذیل کتب سے لیے گئے ہیں:

المہند علی المفند، عقائد اہل السنۃ والجماعۃ از مفتی طاہر مسعود صاحب (حتی کہ متعدد عبارات اور جملے بھی بعینہ اسی سے لیے گئے ہیں، جزاہم اللہ خیرا)، تسکین الصدور، شرح العقائد النسفیہ، عقیدہ طحاویہ، تقلید کی شرعی حیثیت، فتاویٰ محمودیہ و دیگر کتبِ عقائد)

مبین الرحمٰن

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

17 شوال المکرم 1440ھ

03362579499